جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ذیقعدہ
۱۴۱۷ھ

مارچ
۱۹۹۷ء

ماهنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۵ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ ـ مارچ ۱۹۹۷ء شمارہ : ۶

مدیر
سیّد محمودؔ میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ـ ـ ـ ـ ـ سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ـ ـ ـ " ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۱۶ ڈالر
برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ
ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ
جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۳۷۳
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ــــــــــــــــــــ ۳

درسِ حدیث ــــ حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ــــ ۵

رحمۃ للعالمینؐ اور سیاسی انقلاب ــــ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ــــ ۱۰

حسرت نظم ــــ حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب ــــ ۱۵

حیلے اور بہانے ــــ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ــــ ۱۶

وقت ــــ الحاج محمود احمد عارف صاحبؒ ــــ ۲۳

حجاب ــــ بنتِ حامد بن محمّد ــــ ۳۱

وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر نظم ــــ سیّد امین گیلانی ــــ ۳۴

دار العلوم دیوبند کی فقہی خدمات ــــ مولانا عطاء الرحمان ــــ ۳۵

تحفۂ اصلاحی ــــ جناب مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ــــ ۴۳

ایک استفسار کا جواب ــــــــــــــــ ۵۸

حاصل مطالعہ ــــ مولانا نعیم الدّین صاحب ــــ ۵۹

نتیجہ ــــــــــــــــ ۶۲

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمُود میاں

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد!

گزشتہ ماہ کی ۲۳ فروری کو پاکستان کے نو منتخب وزیرِ اعظم جناب نواز شریف صاحب نے ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا۔ وزیرِ اعظم بننے کے بعد اپنی پہلی نشری تقریر میں بہت سے انقلابی اعلانات اور پُرکشش وعدے کیے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنے کیے ہوئے اعلانات اور وعدوں پر سچّے دل سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ان وعدوں میں دو وعدے بہت اہم ہیں۔ اگر اُن پر عمل ہوجائے تو واقعی ملک کی تقدیر بدل جائے۔ پہلا وعدہ جو اُنھوں نے کیا یہ ہے کہ "صنعتوں میں مزدُوروں کا حصّہ پانچ فیصد ہوگا، اور آئندہ جو صنعتی یونٹ قائم ہوں گے ان میں پانچ فیصد حصص مزدُوروں کے لیے مختص کرنے کی پابندی کو بہت جلد قانونی شکل دی جائے گی"۔ مگر اس وعدہ میں تھوڑی سی اصلاحی ترمیم ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کی صُورت میں پیش آنے والی متوقع مشکلات کا قبل از وقت سدِّباب ہوجائے۔ وہ ترمیم یہ ہونی چاہیے کہ مزدُور صنعتی پیداوار میں حصّہ دار ہوں، نہ کہ صنعت میں کیونکہ صنعت میں حصّہ کا تصوّر مزدُور کے ذہن میں ملکیّت کا احساس پیدا کرے گا جو بہت سی قانونی اور انتظامی خرابیوں کے ساتھ ساتھ مزدُور کے مزاج کے بگاڑ کا باعث ہوگا جس سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا اور شرعًا بھی ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔ لہٰذا اجر اور مستاجر کے درمیان مخصوص حد بندی کا تحفّظ بہت ضروری ہے تاکہ انتظامی اُمور خُوبی کے ساتھ انجام پاتے رہیں اور مزدُور کو بھی معاشی

فائدہ ہوتا رہے۔ البتہ صنعت کے ساتھ لگاؤ اور اپنایت کا احساس اجاگر ہونا بہت ضروری ہے تاکہ کام چوری کے بجائے محنت کا جذبہ پیدا ہو کر صنعتی ترقی کو چار چاند لگا دے، اس کے لیے صنعتی پیداوار میں مزدور کو حصہ دار قرار دے دینا بہت ہی اچھا اقدام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح آیندہ قائم ہونے والے صنعتی یونٹوں میں مزدوروں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح پہلے سے قائم صنعتی یونٹوں کی پیداوار میں بھی ان کا حصہ ہونا چاہیے تاکہ ہر یونٹ میں پیداواری تناسب میں یکسانیت اور ترقی ہو۔

وزیرِ اعظم کے دوسرے وعدے کا تعلق بینکنگ کے نظام سے ہے جس میں اُنھوں نے کہا ہے کہ "پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اس میں اسلامی بینکاری نظام رائج کرنا ہمارا آئینی اور اسلامی فریضہ ہے۔ پاکستان سمیت دُنیا کے کئی ممالک میں اسلامی بینکنگ سسٹم کے کامیاب تجربے کیے جا چکے ہیں اور میں صدقِ دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان میں رائج موجودہ نظام بینکاری کی جگہ اسلامی بینکاری نظام رائج کر دیا جائے"۔

وزیرِ اعظم اگر واقعی اپنے اس وعدے میں مخلص ہیں تو سب کاموں سے پہلے اسی کام کو انجام دیں تاکہ ملکی فضا سود کی لعنت سے پاک ہو، اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہو روزگار کے ذرائع حلال و پاکیزہ ہونے سے انسانی طبیعت اور اخلاق پر جو خوشگوار اثرات مرتب ہونگے اُن کی مٹھاس کا ادراک قبل از وقت ممکن نہیں۔ اگر وزیرِ اعظم اور اُن کے رفقاء اس کام کو کر گزرتے ہیں تو یہ اتنا بڑا کارنامہ ہوگا جو سدا سنہری حروف سے لکھا جاتا رہے گا۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس پر بہت بڑے اجر و ثواب کی قوی اُمید کی جا سکتی ہے۔

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے متبادل اسلامی بینکنگ پر بہت محنت کر کے کئی سال پیشتر اس کو مرتب کر دیا تھا جس کی مدد سے یہ نظام فی الفور نافذ کیا جا سکتا ہے۔ آخر میں وزیرِ اعظم سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ اپنی وہ اپیل فوری طور پر واپس لیں جو اُنھوں نے سود ختم کرنے کے فیصلہ کے خلاف دائر کی تھی تاکہ اسلامی بینکاری نظام سے جس سچے لگاؤ کا اُنھوں نے اظہار کیا ہے اس کا ابتدائی طور پر عملی مظاہرہ بھی ہو جائے۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہوکر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کِس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کرلیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۵ سائیڈ بی ۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد! عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِیْ عَلٰی قَلِیْبٍ عَلَیْھَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْھَا مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ اَخَذَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ فَنَزَعَ مِنْھَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ وَ فِیْ نَزْعِہٖ ضُعْفٌ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ ضُعْفَہٗ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَاَخَذَھَا ابْنُ خَطَّابٍ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا مِّنَ النَّاسِ یَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ وَ فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ اَخَذَھَا ابْنُ خَطَّابٍ مِنْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِیْ یَدِہٖ غَرْبًا فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا یَفْرِیْ فَرِیَّہٗ حَتّٰی رَوِیَ النَّاسُ وَ ضَرَبُوْا بِعَطَنٍ[1]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۵۵۷

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: "میں سو رہا تھا کہ (خواب میں) دیکھا میں ایک بغیر مَن کے کنوئیں پہ ہوں جہاں ایک ڈول بھی رکھا ہُوا ہے، میں نے (ڈول کے ذریعہ) اس کنوئیں سے پانی کھینچا جس قدر کہ اللہ نے چاہا، میرے بعد ابوقحافہ (یعنی ابوبکرؓ) نے ڈول سنبھالا اور کنوئیں سے پانی کھینچنے لگے لیکن وہ ایک یا دو ڈول سے زائد پانی نہیں کھینچ سکے۔ دراصل پانی کھینچنے میں وہ سُست اور کمزور پڑ رہے تھے۔ اُن کی سُستی اور کمزوری کو اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ پھر وہ ڈول ایک چرس (یعنی بڑے ڈول) میں تبدیل ہوگیا اور عمر بن خطابؓ نے اس کو لے لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی جوان اور قوی تر شخص کو ایسا نہیں پایا جو عمرؓ کی طرح اس چرس کے ذریعہ پانی کھینچتا ہو، چنانچہ (اُنھوں نے اتنا پانی کھینچا کہ نہ صرف تمام لوگ سیراب ہُوئے اور اُنھوں نے اپنے اُونٹوں کو سیراب کیا بلکہ) لوگوں نے (پانی کی فراوانی کے سبب) اس جگہ کو اُونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔" اور ابن عمرؓ کی روایت میں یوں ہے کہ "پھر ابوبکرؓ کے ہاتھ سے اس ڈول کو عمر بن خطابؓ نے لے لیا جو اُن کے ہاتھ میں پہنچ کر چرس بن گیا حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی جوان اور قوی تر شخص کو ایسا نہیں پایا جو پانی کھینچنے کے اس کام میں عمرؓ کی طرح چاق وچوبند اور کارگزار ہو، چنانچہ اُنھوں نے (اتنا پانی کھینچا کہ) لوگوں کو سیراب کر ڈالا اور (پانی کی فراوانی کے سبب) لوگوں نے اس جگہ کو اُونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔"

عام خوابوں کی بھی تعبیر ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اور انبیاء کرام کے خواب تو وحی کا درجہ رکھتے ہیں اُن کا درجہ بہت بڑا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اُنھوں نے اس کی تعبیر نہیں لی ———— بلکہ بعینہٖ اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس چیز کا حق نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہے کہ جو خواب میں دیکھا ہے اس پر عمل کرنے کے لیے بعینہٖ ویسے کے ویسے ہی وہ تیّار ہو جائے یہ نبی کے علاوہ باقی کوئی اور نہیں کر سکتا سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے بعینہٖ اس پر عمل کیا تو تعبیر اُس کی ظاہر ہُوئی خُدا کی طرف سے کہ یہ مطلب نہ تھا، بلکہ مطلب یہ تھا، ورنہ اگر یہ

بات نہ ہوتی کہ نبی کا خواب وحی کے درجہ میں نہ ہوتا تو اللہ کی طرف سے مواخذہ ہوتا کہ خواب تو ایسے تھا تم نے ایسے کیوں کیا اِس پر عمل، اس کی تعبیر لینی چاہیے تھی۔ اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی کہ ہمارا مقصد کیا ہے، تو انبیاء کرام کا خواب وحی کے درجہ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نہ خیالات کی آمیزش ہوتی ہے نہ توہمات کی نہ باطل کی نہ شیطان کی، کوئی چیز ایسی نہیں۔

آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کئی خواب دیکھے جن میں ایک تو وہ تھا جس کی تعبیر علم تھی ایک وہ ہے جس کی تعبیر آگے کو ظاہر ہوئی خلافت اور حکومت آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ میں سویا ہوا تھا رَأَیْتُنِیْ عَلٰی قَلِیْبٍ عَلَیْھَا دَلْوٌ میں نے دیکھا میں ایک کنویں پر کھڑا ہوں۔ اُس کے اُوپر ڈول ہے فَنَزَعْتُ مِنْھَا مَاشَاءَ اللّٰہُ میں نے اس ڈول سے پانی کھینچا جتنا خدا کی مرضی تھی ثُمَّ اَخَذَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ پھر اس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لے لیا فَنَزَعَ مِنْھَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ انہوں نے ایک یا دو ڈول نکالے "ذَنُوْبٌ" بڑے ڈول کو کہتے ہیں وَفِیْ نَزْعِہٖ ضُعْفٌ انہوں نے ڈول نکالے مگر پوری قوّت سے نہیں۔ اس میں کچھ ضعف تھا۔ کمزوری تھی۔ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ ضُعْفَہٗ دعا دے دی آپ نے کہ اللہ تعالیٰ اگر کوئی کمزوری ایسی ہے تو پھر اللہ اُس کو معاف فرمائیں گے۔ دُعائیہ جملہ بھی ارشاد فرمایا، لیکن بعد میں معلوم ہُوا کہ وہ ضعف جو تھا وہ اندرونی حالات مراد تھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوئی تو کچھ لوگ تو اسلام ہی سے معاذ اللہ پھر گئے، کچھ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور جو لوگ اسلام سے پھرے تھے۔ وہ مُسیلمہ کذّاب اور دوسرے اور تیسرے چھ سات آدمی تھے جن میں ایک عورت بھی تھی۔ ان سب نے نبوّت کا دعوٰی کر دیا تھا۔ اِن پر ایمان لانے والے تو مُدعیانِ نبوّت پر ایمان لانے والے ہوئے یا اسلام سے پھر جانے والے ہوں وہ لوگ ہوئے اور دوسری طرف مانعینِ زکوٰۃ ہو گئے۔ یہ کئی قسم کی خرابیاں داخلی پیش آگئیں ایک دم، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف بھی توجہ فرمائی اور پھر جوابی کارروائی کرنی تھی حکومتِ شام کے خلاف وہ بھی جاری رکھی اس میں فتوحات شروع ہو گئیں، لیکن ادھر یہ ہُوا کہ کمی تو آئی ہے کچھ نہ کچھ اور اُدھر زیادہ قوت سے جا سکتے تھے آپ، لیکن ہوا اس طرح پر ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے پہلے آنے والے ہیں آپ کا بڑا نازک دور تھا۔ رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جو کوئی فرمان ہوتا تھا۔ وہ حجت تھا۔ اس کی

نافرمانی کا کوئی بھی خیال نہیں لاسکتا تھا۔ تصوّر ہی نہیں کرسکتا تھا۔ بس جو فرما دیا اسی طرح کرنا واجب ہے، آپ کے بعد جو آدمی آنے والا ہوگا۔ وہ تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا وہ تو اُمتی ہوگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ اب لوگوں کو اُن کے اُوپر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے درجے کا تو ایمان نہیں تھا۔ ایمان تو کسی کا بھی نہیں تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نہ اُس درجہ کا نہ نچلے درجہ کا، آپ ایک صحابی رضؓ تھے۔ صحابہ کرام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اُنھوں نے یہ کیا یہ خُدا ہی کی طرف سے تھا مقدر کہ وہ آئیں کیونکہ ان کا مزاج یہ بن گیا تھا کہ جو کچھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جو کچھ عمل کیا ہے بس وہ اُن کا مزاج تھا۔ وہ اس طرز پر چلے اس سے ذرا بھی نہیں ہٹے تو کسی آدمی کو ان کی ذات پر ان کے کام پر ان کے احکام پر اعتراض نہیں تھا۔ یہ تبدیلی بہت نازک موڑ تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد ابوبکر آتے ہیں رضی اللہ عنہ جو نبی نہیں ہیں صحابی ہیں وہ کیسے سنبھالتے ہیں اس کام کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حال اور اُن کے بعد کا حال۔ ہر ایک کے اعتبار سے بہت تبدیلی آئی یہ نازک ترین موڑ جو تھا اُس کو بہت خُوب صُورتی کے ساتھ نکال لے جانے والے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان سے زیادہ بڑا آدمی اُمّت میں اور کوئی نہیں تھا۔ ایسے ہی آپ سے زیادہ موزوں آدمی اُمت میں اور کوئی نہیں تھا اور دین کے کام میں چُست، اتنی زیادہ آگے سب سے کہ سب پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی پیچھے۔

توحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ نے جو یہ دیکھا ہے کہ اُن کے نکالنے میں کمزوری ہے وہ کمزوری یہ تھی کہ دوسرے مسلمانوں کا اسلام سے یا اسلام کے کسی حکم سے مثلاً زکوٰۃ ہی سے رُک جانا یا معاذ اللہ اسلام سے پھر جانا اس کی وجہ سے داخلی خلفشار ہُوا اور پیش قدمی میں رُکاوٹ پیش آئی یا پیشقدمی کم ہُوئی تو پیش قدمی کم ہونے کو آپ نے یہ دیکھا کہ ان کے نکالنے میں ضعف ہے کمزوری ہے اس وقت تک فتوحات اتنی نہیں ہوئیں تھیں مال اتنا نہیں آیا تھا۔ غنیمت اور مالِ غنیمت جو تھا وہ بعد میں آنا شروع ہُوئے ہیں تو پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ڈول جو تھا وہ اور بڑا بن گیا۔ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا بہت بڑا ڈول بن گیا اور پھر اس کو لیا ابن خطاب نے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا۔ قوی سے قوی آدمی جو اس طرح ڈول کھینچتا ہو جیسے عمر رضی اللہ عنہ کھینچ رہے ہیں۔ ڈول کھینچنا

شروع ہوگیا۔ پانی آنے لگا لوگوں کے پاس مال پہنچنے لگا۔ ہر طرف فتوحات کا دَور دورہ ہوگیا۔ اِن کے دَور میں، تو کہتے ہیں کہ اکیس (بائیس) لاکھ مربع میل علاقہ جو تھا وہ اسلامی مملکت بن گیا جو بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے اور دُنیا کی دونوں سلطنتیں مغلوب ہوگئیں، جیسے آج کسی سلطنت کے سامنے امریکہ اور روس مغلوب ہو جائیں اسی طرح سے اُس دَور میں شام اور ایران یہ دونوں مغلوب ہوگئے۔ لوگوں کے پاس اتنا پانی پہنچا کہ لوگوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ آرام سے رہنے لگے یہ بالکل اسی طرح ہُوا۔

تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو خواب دیکھا وہ وحی کا درجہ ہے اور بعد میں جو ظہور میں آیا وہ اُسی طرح ظہور میں آیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈول کھینچنے میں پانی سے سیراب کرنے میں ضعف ہے یا کمزوری ہے اس سے مُراد معلوم ہُوا حالات سے کہ اس سے مراد یہ فتنے تھے جو داخلی فتنے تھے اور داخلی فتنوں کا خاتمہ یہ خود ایک بُنیاد ہوتی ہے، اگر اندرونِ ملک انتشار ہو تو بیرونی حملے کا نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے، نہ جواب دیا جا سکتا ہے، اور اگر اندرونِ ملک حالات ٹھیک ہوں تو بیرونی خطرات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو فتوحات ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا حصّہ بنتا ہے۔ کیونکہ اندرونی معاملات تو وہ سب صاف کر گئے۔ بالکل ٹھیک حالات چل رہے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بس پھر خارجی طرف توجّہ رہی ہے۔ اُن کی اور فتوحات کی طرف توجّہ رہی ہے اور اس میں کامیابی ہوتی چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔

❁＊❁

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

(قسط: ۶)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اور

سیاسی انقلابات

ذیل میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ کی ایک نادر تحریر پیش کی جا رہی ہے جو آپ نے رحمۃ للعالمین اور سیاسی انقلابات کے عنوان سے لکھی تھی۔ آپ کی یہ تحریر عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں ادارہ کو ایک قدیم لائبریری سے دستیاب ہوئی تھی۔ (ادارہ)

چھٹا باب

عقیدہ رحمۃ للعالمین کی تشریح

مرکز رحمت، ہادی اعظم۔ سب سے پہلا پرستار اور شکر گزار

(۱)

شکر کیا ہے؟ کسی محسن کے احسان کا اعتراف و اقرار

یوں تو یہ معمولی سی بات ہے، لیکن اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے بہت بڑی چیز ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک معمولی نوکر اگر آقا کے احسان کا قلبی اعتراف رکھتا ہو تو لامحالہ عملی طور پر وہ اپنے آقا کا وفادار ہوگا اور وفاداری کا صلہ اس کے لیے مزید احسانات کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ بشرطیکہ آقا بھی قدردان ہو۔

یہ شکر گزاری اور قدردانی ہر ایک کا اخلاقی فرض اور اخلاق کا اعلیٰ جوہر تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت حق جل مجدہٗ اعلیٰ اخلاق کے خالق اور موجد ہیں۔ اُن کی بارگاہ میں شکر گزاری کی قدردانی بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کی بارگاہ کا قانون ہے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ   اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا۔

(۲)

دُنیا کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ اس کا جواب انسانی عقل آج تک نہیں دے سکی۔ نقلی چیزوں سے اس کا جواب دیا گیا۔ امن، سلامتی، رحم، عدل وانصاف کے پیشِ نظر سب سے پیارا جواب وہ ہے جو اسلام نے دیا۔ جو امن وسلامتی رحم وانصاف کے طالبوں کے لیے سب سے زیادہ واجب التسلیم ہے۔

ایک خدا تھا۔ اُس کے سوا کچھ نہ تھا۔ (حدیث شریف)

سب سے پہلے ایک نُور پیدا کیا۔ (حدیث شریف)

وہ نور سراسر حمد تھا۔ سرتاپا شکر تھا، نیاز تھا۔ اعترافِ احسان تھا۔ اسی لیے اُس کا نام حامد ہُوا۔ (شکرگزار) اور جبکہ وہ حامد، شکرگزار تھا تو حضرت حق کی بارگاہ سے جب اُس کی آمد کی بشارت دی گئی تو "احمد" نام[عہ] تجویز ہُوا (بہت زیادہ[عہ۱][عہ۲] شکر ادا کرنے والا)

اور جب وہ دُنیا میں رسول بن کر آیا تو اس کا نام "محمدﷺ" تھا (جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)

(۳)

جبکہ یہ نور سراسر حمد تھا تو لامحالہ اُس کے شکر پر زیادتی بھی لازم تھی۔ چنانچہ خلق کی افزائش شروع ہوئی انتہا یہ کہ رفتہ رفتہ سارا عالم پیدا کیا گیا، مگر کس قدر خوشگوار ہے یہ سلسلہ کہ ایک طرف سے نیازمندی اور اعترافِ احسان۔ دوسری طرف سے قدردانی اور افزائشِ انعام اور کیسا مُبارک ہے یہ عقیدہ کہ سارے عالم کا آغاز نُور ہے۔ جس کا خطاب "رحمۃ للعالمین" ہے۔

(۴)

تم سارے عالم پر نظر ڈال جاؤ۔ یہاں ایک ایک خزانہ موجود ہے جس کے اجزا تمام عالم میں منتشر رہتے ہیں۔

روشنی کا خزانہ۔ آفتاب (چاند تارے سب اسی سے روشن) گرمی کا خزانہ، سائنسِ جدید کے بموجب آفتاب ہے اور سائنسِ قدیم نے ایک کرہ تسلیم کیا ہے۔ پانی کا خزانہ۔ سمندر۔

عہ یاتی من بعدی اسمہ احمد عہ۱ اگر معنے مفعولیت کی تفصیل ہو عہ۲ اگر معنی فاعلیت کی تفصیل ہو (واللہ اعلم)

اسی طرح ہوا، مٹی، اور پھر سونا چاندی غرض تمام معدنیات تمام جمادات کا خزانہ نظر آئے گا۔
یہ تمام خزانے اگر اپنی اپنی جگہ رہیں تو دُنیا کی کوئی چیز بھی وجود میں نہ آتے، لیکن صُورت یہ ہے کہ ان خزانوں سے کچھ اجزا پھیلتے ہیں۔ دوسرے خزانے کے اجزاء سے ملتے ہیں اور ایک تیسری چیز پیدا کر دیتے ہیں۔ آفتاب کی تیز تیز کرنیں سمندر پر پڑیں۔ پانی نے جوش کھایا۔ مان سون اُٹھا۔ ہواؤں نے اُس کو زمین کے خشک حصّوں پر پہنچا دیا۔ آفتاب کی کرنوں نے اس کو دوبارہ پگھلا کر زمین پر برسا دیا۔ سطحِ زمین نے پانی چوسا اُس کے نباتاتی اجزاء کو قوت حاصل ہوئی۔ شاداب سبزہ پیدا ہوگیا۔ غلہ پیدا ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔
سوال یہ ہے کہ رحمت، ہدایت، نعمت، عذاب، بھلائی، بُرائی وغیرہ وغیرہ کا بھی اسی طرح کوئی خزانہ ہے یا نہیں۔
کاش، سائنس جدید۔ مادی چیزوں کی طرح۔ ان معانی اور ان اخلاقی چیزوں سے بھی بحث کرتی تو ہمیں سمجھانے میں دقت نہ ہوتی، مگر سائنس جدید اس تحقیقات سے کوری ہے۔ لیکن ہماری عقل ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ساری موجود چیزوں کی فطرت اور اُن کا نیچر ایک ہی ہے تو مادی چیزوں کی طرح لامحالہ ان تمام اخلاق اور معانی کے لیے بھی خزانے ہوں گے۔
اور پھر اُن کے باہمی اختلاط سے کوئی تیسری چیز بھی یقیناً بن جاتی ہو گی۔ سائنس سے ہٹ کر جب ہم کسی بھی مذہب سے دریافت کریں تو وہ ہماری عقل کی تائید کرتا ہے۔
راحت و آرام کا خزانہ جنت، تکلیف کا خزانہ، دوزخ، اطاعت کا مخزن۔ فرشتے۔ سرکشی کا مخزن شیاطین۔
بلا شُبہ رحم و کرم، ہدایت، وغیرہ کا مخزن اور مرکز ذاتِ حق جل مجدہ ہے لیکن سلسلۂ کائنات میں جس طرح نور کا مخزن آفتاب کو مانا گیا ہے، حالانکہ یہ لفظ ذاتِ باری عزاسمہٗ کے لیے بھی بولا گیا ہے۔
اور بلا شُبہ مادی آفتاب کے نور میں اور حضرت حق جل مجدہٗ کے نور میں بے انتہا درجوں کا فرق ہے اور بظاہر یہی سبب ہے کہ انسان کی نظر اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ آفتاب کی روشنی اگر دوگنی بھی ہو ،

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "نورٌ انی اراہ" اس طرف مشیر ہے۔ نیز دوسری حدیث میں ہے "حجابہ النور" (اسکا حجاب نور ہے)، اسی حدیث کے ایک حصہ میں ہے کہ اگر ایک پردہ بھی اُس کے نُور کا اُٹھ جائے تو تمام عالم نیست و نابود ہو جائے۔ نیز قرآن پاک میں بھی بصرِانسانی کے ادراک نہ کر سکنے کو بیان فرما کر ارشاد ہوا ہے۔ ھو اللطیف الخبیر یہاں لطافت کا استعمال نہ دیکھ سکنے کی اسی وجہ کی طرف مشیر ہے۔

انسان کی نگاہ اس کو نہ دیکھ سکے گی۔ اور اگر دیکھے تو نگاہ نگاہ نہ باقی رہے گی

بہر حال جس طرح سلسلہ کائنات میں نُور کا خزانہ آفتاب کو مانا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح رحمت اور ہدایت وغیرہ اعلیٰ اخلاق کا مخزن بھی کوئی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کون ؟

یہ یقینی چیز ہے کہ اگر رحمت ، ہدایت وغیرہ بلند ترین اخلاق کا کوئی مخزن ہوا تو وہی ہوگا۔ جو کالِ مطلق۔ کی سب سے پہلی مخلوق ہو۔

ہمیں قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ تمام انسانوں کی روحیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے اُس وقت پیدا ہو چکی ہیں جس کو اصطلاح میں ازل کہا جاتا ہے۔

ان روحوں کو پیدا کرنے کے بعد حضرت حق جل مجدہٗ نے ان سے دو عہد لیے تھے۔

پہلا عہد حضرت حق کی ربوبیت اور اس کے پروردگار یعنی خالق اور پالنے والا ہونے کے متعلق تھا، جس کو عہدِ اَلَسْتُ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسرے عہد کے متعلق قرآن پاک میں الفاظ یہ ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران ع ۹ ج ۳)

جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام سے عہد لیا کہ جو کچھ بھی مَیں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس رسول آوے اُن خداوندی کتابوں کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔

آیت میں انبیاء علیہم السّلام کو لفظ نبی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اُس کے بعد "رسول" کا لفظ لایا گیا ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے اس کے معنٰی "بڑے رسول" کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال علامہ تقی الدین سبکی جیسے محقق علماء کی تحقیق کے بموجب آیت کا خلاصہ یہی رہا کہ تمام انبیاء علیہم السّلام سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے اور اگر امداد کسی صورت سے ممکن ہو تو امداد کرنے کا عہد لیا گیا جس کی تکمیل کی صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ انبیاء سابقین کی اُمتیں اگر اپنی صداقت پر باقی رہیں تو اُن کا فرض ہو

لہ خصائص کبری۔ علامہ جلال الدین سیوطی ص۴ ج ۱

جائے کہ اس بڑے رسول پر ایمان لائیں۔

اگر یہاں رسول کو عام ہی رکھا جائے تب بھی گویا ہر نبی کے لیے دوسرے نبی کی تصدیق لازم ہوگئی۔ یہ فرض اس کا بھی ہُوا اور اُس کی اُمّت کا بھی کہ ہر آنے والے نبی کی تصدیق اور امداد کرے۔ اب چونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عہدِ مُبارک سب سے آخر تھا تو لامحالہ سب نبیوں کا آپ پر ایمان لانا۔ اور اپنی اپنی اُمّتوں کو آپ کی تصدیق اور آپ کی امداد کی ہدایت کرنا۔ فرض ہوگیا۔ اس بحث کے نتیجہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو "نبی الانبیاء" تمام نبیوں کے نبی کی حیثیت دی گئی۔

اور بلاشُبہہ یہی تقاضا تھا۔ اُس اوّلیت کا جو آپ کے نُور کو عطا ہُوئی۔

یہی تقاضا تھا اُس حمد کا جو آپ کے وجودِ گرامی کی اصل حقیقت ہے۔

یہی تقاضا تھا اس شکر کا جس کے نتیجہ میں تمام کائنات عالم وجود میں آئی۔

اور یہی تقاضا ہے اس بلند ترین خطاب کا جو آپ کو مرحمت ہو یعنی "رحمۃ للعالمین"

(۵)

نبی وہ انسان ہے جو اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ بنا کر عالم انسانی کی طرف اس لیے بھیجا گیا ہو کہ عالم انسانی کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے۔

لامحالہ نبی الانبیاء کا مطلب یہی ہُوا کہ وہ اعلیٰ ترین نمونہ بلکہ سلسلہ کائنات میں خزانہ ہے۔ رحم کا، کرم کا۔ عدل و انصاف کا۔ زہد و تقویٰ وغیرہ وغیرہ جملہ اخلاق عالیہ کا

(۶)

درحقیقت انسان کو ہدایت فرمانا خداوند عالم کی رحمت ہے۔ اس کا احسان ہے ورنہ کوئی عقل لازم نہیں کرتی کہ خُدا اُس کے سچّے راستہ کی تعلیم بھی دے۔ ایک مکان بنانے والے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُس میں رہا کرے۔ وہ چاہے تو اُس کو اصطبل بنا دے۔ چاہے تو اس میں تنور لگوا دے۔

بہرحال جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا فرمایا گیا تو یہ صراحت ہوگئی کہ آپ ہی "ھدی للعالمین" یعنی تمام جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت ہیں۔ جیسے کہ مرکزِ رحم ہیں۔

(۷)

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح کائنات عالم کی ہر ایک نوع اور ہر ایک جنس کے لیے خاص خاص

(بقیہ بر صفحہ ۳۰)

باسمہٖ تعالیٰ

حسرت

رمضاں بھی گزر گیا یوں ہی		چڑھ کے آیا، مگر گیا یوں ہی
موج آئی نہ کوئی ساحل تک		دل کا دریا اُتر گیا یوں ہی
ماہِ نو عشق کی طرح آیا		ہم پہ اِلزام دھر گیا یوں ہی
کیا سُہانی راتیں تھیں		خواب تھا جو بکھر گیا یوں ہی
دامنِ دل نہ بھر سکا اَب کے		موسمِ گُل گزر گیا یوں ہی
لگ رہی ہے فضا اُداس اُداس		وہ تو سُنسان کر گیا یوں ہی
ذکرِ جاناں سے جاں میں جاں آئی		زیست کا رُخ نکھر گیا یوں ہی
اُن کا غم تو مُحیطِ عالم ہے		میرے سینے میں بھر گیا یوں ہی
سفرِ حج بہت مُبارک ہے		کیا کریں گے، اگر گیا یوں ہی

اللہ اللہ اُس کا بخت نفیس
جو مدینے میں مر گیا یوں ہی

نفیس الحسینی
۳ شوال المکرم
۱۴۱۷ھ

○

حیلے اور بہانے

بعض کاہلوں کا عذر کہ آنکھ نہیں کھلتی

(۳۳) بہت سے لوگ بعض نمازیں اور خاص کر فجر کی نماز نیند کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فجر کی نماز کی پابندی کیوں نہیں کرتے تو کہہ دیتے ہیں کہ آنکھیں نہیں کھلتیں یا کسی نے جگایا نہیں۔

بات یہ ہے کہ جسے نماز کا اہتمام ہو ضرور بروقت اُس کی آنکھ کھلتی ہے وہ آنکھ کھلنے کی تدبیریں کرتا ہے، رات کو جلدی سوتا ہے ٹائم پیس لگاتا ہے۔ دوسرے نمازیوں سے اُٹھانے کی تاکید کرتا ہے۔ دل میں ارادہ مضبوط نہ ہو، اُٹھنے کا اہتمام بھی نہ ہو۔ دیر سے بھی سوئے۔ اُٹھانے پر بھی نہ اُٹھے اور آنکھ نہ کھلنے کو بہانہ بنادے، یہ بہانہ کیسے کام دے سکتا ہے؟ خود غور کرلیں، اُٹھنے کی ساری تدبیریں کرو۔ پھر آنکھ نہ کھلے تو دوسری بات وہی لوگ جو فجر کی نماز کے لیے بیدار نہیں ہوتے، جب کہیں ان کو جانا ہوتا ہے یا کوئی بھی دُنیاوی کام درپیش ہو جاتا ہے تو بغیر کسی کے جگائے خود بھی اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں جب تک دل میں لگی نہ ہوگی۔ ایسے ہی بہانے سُوجھا کرتے ہیں، دل کی لگی اور ہی ہوتی ہے نماز سے عشق کر کے دیکھو، انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ آنکھ کھلے گی۔

مرض میں نماز چھوڑنے والوں کو تنبیہ

(۳۴) بہت سے لوگ مرض میں نماز نہیں پڑھتے، حالانکہ مرض میں بھی نماز فرض ہے اور اس میں قدرت واستطاعت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، وہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر پڑھو۔ غرض یہ ہے کہ جب تک ہوش وحواس قائم ہوں نماز پڑھنا فرض ہے۔ مرض کا بہانہ کرنے سے نماز کی فرضیت ختم نہ ہو جائے گی۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ نماز کیسے پڑھیں وضوء ہی نہیں ٹھہرتا یا کپڑے ہی پاک نہیں رہتے۔ ان لوگوں کا یہ عذر غلط ہے، کیسا ہی مرض ہو نماز بہرحال فرض ہے جو شخص جس حال میں مبتلا ہو وہ علماء سے پوچھے کہ میں اب کیا کروں

اور کیسے نماز پڑھوں ؟ خود ہی اپنے حق میں مفتی بن جانا اور آپ ہی فیصلہ کرلینا کہ اب مجھ پر نماز پڑھنا فرض نہیں ہے یہ بڑی جہالت کی بات ہے۔ اگر کسی کو برابر پیشاب آتا رہتا ہو یا جریان کا مرض ہو یا کسی عورت کا خون ہر وقت جاری رہتا ہو، یا سیلانِ رحم (لیکوریا) کی شکایت ہو اس پر بھی نماز فرض ہے۔ اس کا طریقہ کار فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ عُلماء سے معلوم کر کے عمل کرنا لازم ہے۔

اگر کسی بیمار کا بستر ناپاک ہو اور اس کے بدلنے میں بیمار کو ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہو تو وہ وضو یا تیمم کر کے (مسئلہ کے اعتبار سے جس کا موقعہ ہو) اسی بستر پر نماز پڑھ لیا کرے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔

سفر میں نماز چھوڑنے والوں کو تنبیہ

(۳۵) اکثر آدمی سفر میں نماز نہیں پڑھتے۔ اچھے اچھے نمازی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ پانی نہ ہونے اور جگہ پاک نہ ہونے کا بہانہ کر دیتے ہیں۔ اوّل تو سٹیشنوں پر پانی ہوتا ہے۔ ریل کے ڈبوں میں بھی پانی ہوتا ہے جو پاک ہوتا ہے۔ وضو کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے اور پڑھنے والے پڑھتے ہیں، نہ صرف تنہا بلکہ جماعت سے پڑھتے ہیں۔ اور ہندو غیر مسلم تک نماز کے لیے جگہ دے دیتے ہیں، خود ہی اپنے دل میں کجائی ہو تو اس کا علاج پختہ عزم و ارادہ کے سوا کچھ نہیں ہے، اوّل تو سفر کے لیے ایسا وقت ڈھونڈیں جس میں نماز کا وقت نہ آتے اور اگر کوئی ایسی صُورت نہ بنے، تب بھی نماز کا اہتمام کریں۔ پانی ساتھ لے کر بیٹھیں۔ مصلّٰی ساتھ لیں، اُصول شریعت کے مطابق تیمم دُرست ہو تو تیمم کرلیں، جن کے دل میں نماز کا اہتمام ہے۔ وہ مسائل معلوم کرتے رہتے ہیں اور نماز پڑھنے کی تدبیریں سفر میں بھی سوچ ہی لیتے ہیں۔ ظہر کا وقت سردی میں تین گھنٹہ ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور گرمی میں ایک گھنٹہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور عشاء کا وقت تو صُبح صادق ہونے تک ہے۔ اتنے بڑے وقت میں کہیں نہ کہیں گاڑی رُکتی ہی ہے، اگر بھیڑ ہو تب بھی نیچے اُتر کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ دو یا تین رکعت پڑھنا کے منٹ کا کام ہے؟ عصر، مغرب اور فجر کا وقت بھی کوئی دو چار منٹ کا نہیں ہے۔ جو لوگ ہمّت اور کوشش کرتے ہیں تو وقت کے اندر اندر پڑھ لیتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا وضو کافی دیر تک ٹھہر جاتا ہے، اگر ظہر کے اخیر وقت میں وضو کر کے نماز پڑھی جائے تو یہ وضو مغرب بلکہ عشاء تک چل سکتا ہے۔ ہم نے تو بعض ایسے لوگ دیکھے جنہوں نے جمعہ کے لیے وضو کیا اور پھر اسی وضو سے عشاء پڑھی، اللہ نے صحّت دی ہو تو اس کو دین کے کام میں لگائیں، اگر ہر وقت وضو کرنا پڑے تب بھی کریں، لوٹا ساتھ لے کر بیٹھیں اور ہر طرح کی تدبیر کریں۔ انشاء اللہ راستے نکلیں

گے۔ ہر جگہ مصلے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، پوری زمین نماز کی جگہ ہے۔ مٹی پاک ہے اگر کسی جگہ زمین میں پرناپاکی گر گئی ہو تو زمین کے سوکھ جانے اور ناپاکی کا اثر زائل ہونے سے پاک ہو جاتی ہے۔ مردوں میں تو کچھ لوگ سفر میں نماز پڑھ بھی لیتے ہیں، عورتیں تو سفر میں نماز پڑھتی ہی نہیں، بعض عورتیں پردہ کا عذر کر دیتی ہیں، حالانکہ یہ عذر شرعاً کوئی عذر نہیں۔ جس برقعہ میں سفر کر رہی ہیں۔ مردوں کے سامنے گذر رہی ہیں۔ ریل میں بیٹھی ہیں۔ اسی برقعہ میں نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اڑتالیس میل یا اس سے زائد سفر بغیر محرم کے جائز نہیں ہے، جو محرم ساتھ ہو وہ خود بھی نماز پڑھے اور فکر مند ہو کر اس عورت کو بھی نماز پڑھائے جو اس کے ساتھ ہو، بس ہمت و ارادہ ہونا چاہیے۔ اس کے سامنے ہر عذر ہیچ ہے۔

سفر میں بلا عذر بیٹھ کر یا قبلہ رُخ کے خلاف نماز پڑھنے والوں کی غلطی

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ریل میں نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن خواہ مخواہ بلا عذر جبکہ ریل ٹھہری ہوئی ہو یا چل رہی ہو اور گرنے کا خطرہ بھی نہ ہو، پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ خواہ مخواہ قبلہ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ لیتے ہیں۔ جب ان کو مسئلہ بتایا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سفر میں سب کچھ جائز ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ مجبوری میں سب کچھ درست ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے فتوے تو اہلِ علم سے اور مفتی حضرات سے پوچھتے ہیں اور ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے یا بغیر قبلہ پڑھنے میں خود ہی فتویٰ دے دیتے ہیں اور اس وقت اپنا مقام مفتیِ اعظم سے کم نہیں سمجھتے۔

بات یہ ہے کہ جب قبلہ کا رُخ معلوم ہو اور ریل میں نماز پڑھنے کو جگہ مل جائے تو بے قبلہ پڑھنے کے لیے کوئی معذوری و مجبوری نہیں رہتی۔ جب نماز پڑھنے لگے۔ تب کون تلوار لے کر کھڑا ہے کہ قبلہ کو پڑھو گے تو گردن اڑا دی جائے گی، یا کونسی مجبوری نازل ہو گئی جس کی وجہ سے قبلہ کے علاوہ دوسرے رُخ کو پڑھنے لگے؟

اسی طرح جب ریل کھڑی ہو اس وقت کوئی مجبوری بیٹھ کر پڑھنے کی نہیں ہے، بلکہ اگر خوب اچھی رفتار سے ریل چل رہی ہو تب بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکتی ہے، ہم نے پڑھی ہے اور پڑھنے والوں کو دیکھا ہے اور گرنے کا احتمال ہو تو کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔ اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، ہزاروں میں اکا دکا ایسا شخص ہو سکتا ہے کہ جو کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو یا کسی چیز کو پکڑ کر بھی نہ سنبھل سکتا ہو۔

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے تاجروں کا غلط حیلہ

(۳۶) بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی بڑی بڑی دکانیں ہیں، اور ہزاروں کا مال اُن کی دُکانوں میں بھرا ہُوا ہے، جب اُن سے زکوٰۃ کی بات کی جاتی ہے تو زکوٰۃ سے چھٹکارے کے لیے یہ حیلہ سامنے لے آتے ہیں کہ اس سال نقصان ہُوا ہے، اس لیے زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ یہ حیلہ سراسر غلط ہے۔ مسئلہ کی رو سے جب تک کسی بھی قسم کا نصاب ملکیت میں باقی رہے گا۔ زکوٰۃ فرض رہے گی، تجارت میں نفع ہُوا ہو یا نقصان، خواہ اصل پُونجی بھی گھٹ گئی ہو، لیکن اگر کسی بھی طرح نصاب کا مالک ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور تاجروں کا نقصان بھی اُن کی ایک اصطلاح ہے۔ پونجی کا نقصان بھی نہیں ہوتا اور نفع بھی ہوتا ہے، جس سے سال بھر گھر بار کا خرچ چلتا ہے۔ دُکان کا کرایہ ادا کرتے ہیں، لیکن چونکہ کھا پی کر اتنا نہ بچا جتنا شروع سال سے طے کر لیا تھا کہ اس سال اتنا کمانا ہے۔ اس اُمید اور خیال کے مطابق نفع نہ ہُوا تو اس کا نام نقصان رکھ دیا اور مدرسہ کے سفیر کو جواب دے دیا کہ اس سال تو نقصان ہوگیا۔ نفع کا نام... نقصان رکھا، جُھوٹ بھی بولا اور زکوٰۃ بھی روکی اور اپنے خیال میں نیک ہی رہے، ان نیکوں کو اللہ نیک بنائے اور فرائض کی ادائیگی کی فکرمندی نصیب فرمائے۔

روزہ چھوڑنے والوں کا غلط حیلہ

(۳۷) بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے تو رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتے اور یُوں کہتے ہیں کہ جب نماز نہیں تو روزہ ہی کیا رکھیں، بیل کی طرح مُنہ باندھ کر پڑے رہنے سے کیا فائدہ؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز چھوڑنا ہی کونسا اچھا کام ہے؟ ایمان کے بعد نماز ہی کا مرتبہ ہے جو اسلام کا دوسرا رُکن ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز ہی کا فرق ہے[1] جب تک جان میں جان ہو اور ہوش باقی ہو، کیسا ہی مریض ہو، کیسے ہی اشغال ہوں، سفر ہو یا گھر پر ہو، ہر حال میں نماز پڑھنا فرض ہے

پھر اگر کوئی کم بختی مارا نماز نہ پڑھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے فرائض بھی انجام نہ دے۔ نماز مستقل فرض ہے اور روزہ اس کے علاوہ مستقل فریضہ ہے، دونوں میں سے جس کو ادا کرے گا، اس کی فرضیت ادا ہو جائے گی اور فرض چھوڑنے کے گناہ سے بچ جائے گا اور جس فرض کو ادا نہ کرے گا۔ اس

[1] العهد الذی بيننا و بينهم الصلوٰة الحديث مشكوٰة المصابيح ص ۵۸

کے چھوڑنے کا گناہ ہوگا اور گناہ عذاب کا سبب ہے۔نفس اور شیطان کے سمجھائے ہوئے حیلوں سے اپنے لیے عذاب تیّار کرنا۔ بڑی نادانی ہے، نفس اور شیطان پہلے نماز چھڑواتے ہیں پھر اس کو روزہ چھوڑنے کا بہانہ بتادیتے ہیں، نماز بھی پڑھو اور روزہ بھی رکھو، بیل کی طرح مُنہ کیوں باندھو، مُسلمان آدمی کی طرح روزہ کی نیت کرکے روزہ توڑنے والی چیزیں چھوڑ کر روزہ کا ثواب لو اور فرض چھوڑنے کے گناہ سے بچو۔

عمل سے بچنے کے علم حاصل نہ کرنے کی حماقت

(۳۸) بعض لوگ قصداً علم دین حاصل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ علم پڑھ کر عمل کرنے کی ذمّہ داری آجائے گی۔ یہ بڑی جہالت کی بات ہے اور سراسر حماقت ہے، کیونکہ علم حاصل کرنے کا مستقل حکم ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ ہر شخص کی ذات سے جو فرائض و واجبات متعلق ہیں۔ان کا پوری طرح جاننا بھی فرض و واجب ہے اور عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے، علم حاصل نہ کرنے سے عمل کی ذمّہ داری ختم نہیں ہوجاتی جو شخص اپنی ذات سے متعلق احکام و مسائل کا علم حاصل نہیں کرتا وہ ترکِ علم کی وجہ سے بھی گناہ گار ہے اور ترکِ عمل کی وجہ سے بھی، اس کو خوب سمجھ لیں۔

حفظ قرآن کو بیکار کہنے والوں کی تردید

(۳۹) بہت سے لوگ نہ خود قرآن حفظ کرتے ہیں نہ اپنی اولاد کو اس کارِ خیر پر لگاتے ہیں بلکہ دوسروں کے بچّے جو قرآن مجید حفظ کرتے ہیں ان کا حفظ چھڑانے کی بھی ترغیب دیتے ہیں اور اپنے دُشمن شیطان مردُود کے سمجھانے سے یُوں کہتے ہیں کہ جب معنی نہیں جانتے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ (العیاذ باللہ) عجیب بات یہ ہے کہ گھر بیٹھے ہی اپنی خام خیالی سے کلھیا میں گڑ پھوڑ کر خوش ہوجاتے ہیں اور ہر طرح کے سوال وجواب خود ہی نمٹا لیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی سمجھنے پر کس نے پابندی لگائی ہے؟ الفاظ بھی سیکھو پُورا قرآن ناظرہ بھی پڑھو اور حفظ بھی کرو اور پُورے قرآن کے معانی بھی سمجھو، مُسلمان کی یہی شان ہے۔ یہ کونسی سمجھ داری ہے کہ نہ معانی سیکھے نہ الفاظ یاد کرے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھے اس کے لیے ہر حرف کے بدلہ ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۶)

مثلاً کسی نے الحمد للہ رب العٰلمین پڑھ دیا تو اسکو ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے حساب سے ڈیڑھ سو سے زائد نیکیاں مل گئیں۔ یہ ثواب

صرف پڑھنے کا ہے سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے بہر حال یہ ثواب ملے گا۔

جن لوگوں کو آخرت کے ہولناک منظر میں نیکیوں کی ضرورت کا علم نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک نیکی کی کوئی قیمت نہیں ہے ، یہ کہنا کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ جہالت کی بات ہے، ان لوگوں کے نزدیک روپیہ، کپڑا ، دُکان ، جائداد ہی فائدہ کی چیز ہے، آخرت کا ثواب ان لوگوں کے یہاں فائدہ کی چیز نہیں ہے ۔ دُنیادار دُنیا ہی کو نفع کی چیز سمجھتے ہیں۔ آخرت کے منافع کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ ھداھم اللہ تعالیٰ۔

غیبت کرنے والوں کا محاسبہ اور ان کی تردید

(۴۰) بہت سے لوگ دوسروں کی غیبت کرتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ غیبت بہت بڑا گناہ ہے اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ صاحب میں کوئی غلط نہیں کہہ رہا ہوں، میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا۔

یہ سمجھ لیں کہ مُنہ پر کہہ دینے یا کہہ سکنے سے غیبت حلال نہیں ہوجاتی ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ، اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خُوب جانتے ہیں۔ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) تو اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرے جو اُسے بُرا لگے، اس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں بیان کر رہا ہوں تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تُو نے اپنے بھائی کے حق میں وہ کہا جو عیب اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں تب تو نے اس پہ بہتان لگایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲) جس بات سے دِل دکھے وہ غیبت ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کی بُرائی آگے بیان کرے یا پیچھے ہر حال میں گناہ ہے کیونکہ گنہگاری کا مدار بُرا لگنے پر ہے، آگے کہو یا پیچھے کہو، جس کے بارے میں کہا ہے آپ اس کے دل دُکھنے کا ذریعہ بنے یہ گناہ گاری کا سبب بن گیا، نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کسی کے اندر کوئی بُرائی ہو، اُس بُرائی کا بیان کرنا غیبت ہے، اور اگر کوئی ایسی بُرائی بیان کی جائے جو اس میں نہیں ہے تو یہ

اس پر بہتان ہے۔ لوگ عام طور سے ان دونوں چیزوں (غیبت و بہتان) میں مُبتلا ہیں اور غیبت کو شیرِ مادر سمجھتے ہیں اس سے بچنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے۔ جو لوگ دینداری میں اپنا بڑا مقام سمجھتے ہیں وہ بھی غیبت سے باز نہیں آتے۔

غیبت سے آخرت کا نقصان

جن لوگوں کی غیبت کر کے آخرت میں پہنچیں گے، ان کو اپنی نیکیاں دینی پڑیں گی اور اُن کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے، خدا جانے اتنے بڑے نقصان کا سودا کرنے کے لیے کیوں تیار ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح کا ایک واقعہ

سُنا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے غیبت کی، حضرت امام صاحب رح کو جب معلوم ہُوا تو اس کے پاس ہدیہ لے کر گئے اس نے کہا کہ آپ نے یہ زحمت کیوں گوارا فرمائی؟ امام صاحب رح نے فرمایا کہ آپ ہمارے محسن ہیں اس لیے ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا میں نے تو کبھی آپ کے ساتھ احسان نہیں کیا، فرمایا کہ سُنا ہے آپ نے ہماری غیبت کی ہے یہ آپ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ میدانِ آخرت میں آپ ہمارے گناہ اپنے سر لیں اور اپنی نیکیاں ہمارے حساب کے پلڑے میں ڈال دیں، آخرت کے محسن سے بڑھ کر کون محسن ہوگا؟

غیبت کرنے سے نفس کو جو تھوڑا سا مزہ آتا ہے اس مزے کے لیے آخرت کی بربادی کرنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نقصان کے کام سے بچائے (آمین)

اصل بات یہ ہے کہ غیبت میں تکبّر پوشیدہ ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرتا ہے تو اس کے اندر اپنی برات پوشیدہ ہوتی ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہے، ہم ایسے نہیں ہیں اگر اپنے گناہوں اور عیبوں پر نظر ہو تو دوسروں کے عیب اور بُرائیاں بیان کرنے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ لِیَحْجِزُکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ (یعنی لوگوں کے عیب بیان کرنے سے تجھے وہ چیزیں روکیں جن کو تو اپنے اندر جانتا ہے)[1]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵

(بقیہ بر صفحہ ۵۷)

وقت! ایک جنسِ گرانمایہ جس کی ہم قدر نہیں کرتے

الحاج محمود احمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ

دن آتے ہیں گزر جاتے ہیں۔ راتیں آتی ہیں بیت جاتی ہیں۔ انہیں کے تواتر سے ہفتے، مہینے، سال اور صدیاں ظہور میں آتی ہیں۔ یہی زمانہ ہے۔ اور یہی وقت ہے۔

یہ بحث فضول ہے کہ زمانہ کی ماہیت وکمیت کیا ہے بھلا جس مسئلے کو قدماء کے مکالمے، متاخرین کے مباحث اور جدید فلاسفہ کی طویل طویل بحثیں بھی سلجھا نہیں سکیں۔ ہم اس کی تحقیق میں پڑ کر سوائے ضیاع وقت کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہم نے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت ہماری شب و روز کی دوڑ میں کیا اہمیت ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب ہم اس دُنیا میں موجود نہ تھے۔ پھر ایک مقررہ وقت پر خوابگاہِ عدم سے اس دُنیا میں وارد ہُوئے پہلے بچپن کی بہاریں تھیں۔ پھر جوانی آئی اور پھر جوانی بھی اپنی جولانیوں کو لیے ہُوئے چلی گئی اور بڑھاپا آ گیا جو زندگی کی سب سے آخری منزل ہے کہ اس سے آگے موت کی وادی تک کسی بھی سرائے کا نشان نہیں ملتا۔ پھر ایک معینہ وقت پر موت آئے گی۔ جو زندگی کی غمی وخوشی سب کو بہا کر لے جائے گی

قرآن کریم نے ان سب تغیرات وحوادث پر ہمیں اس طرح مطلع کیا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

"تم کیسے انکار کرتے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حالانکہ تم سب بے جان تھے۔ پس اللہ نے تمہیں زندگی بخشی۔ پھر تمہیں (دوبارہ) مارے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

جب وقت معیّن آجائے تو نہ ایک گھڑی پہلے ہو سکتا ہے اور نہ ایک گھڑی پیچھے"۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

أَشَابَ الصَّغِيْرَ وَ أَفْنَى الْكَبِيْرَ
كَرُّ الْغَدَاةِ وَ مَرُّ الْعَشِيِّ

" بچّے کو جوان اور بُوڑھے کو ہلاک کر دیا۔ صُبح اور شاموں کے بار بار لوٹنے نے"۔

خواجہ مجذوبؒ نے ان تغیّرات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا

بچپن نے تجھے برسوں کھلایا جوانی نے تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے آکر کیا کیا ستایا اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

زمانے کی قدر و قیمت

انسان کی فطرت یہ ہے کہ اسے جب کوئی نعمت حاصل ہو تو اسے اس کی قدر و منزلت معلوم نہیں ہوتی! یا وہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا، مگر جونہی وہ نعمت اس کے ہاتھوں سے دوسرے کے پاس چلی جائے تو ہم للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہیں اور اس کی قیمت کا تخمینہ لگاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کو منّ و سلوا دیا گیا، مگر اُنھوں نے اس کی قدر و قیمت نہ جانی اور جھٹ ترکاریوں اور دالوں کا سوال کر بیٹھے۔

وقت کی قدر و منزلت کے بارے میں ہمارا بعینہٖ یہی حال ہے جب تک یہ دولت ہمارے پاس موجود رہتی ہے تو ہم اس کی قدر سے ناواقف رہتے ہیں، مگر جب اس کے زائل ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو ہمیں اس کی قیمت معلوم ہونے لگتی ہے۔ بھلا سکندر سے پُوچھئے[1] کہ ایک دن زندگی کی قیمت اس کے ہاں زیادہ تھی، یا تمام دُنیا کی جو بالآخر چھن گئی۔ بڑے بڑے شہنشاہ تمام دُنیا کو مطیع

---

[1] تمام دُنیا کو فتح کرنے کے بعد جب موت نے اسے فتح کیا۔

و منقاد کر چکے، مگر جب موت سامنے آئی تو اُس کے آگے خود ہی جُھک گئے۔

ہارون الرشید کا واقعہ

ہارون الرشید کا ایک درباری واعظ تھا جس کا نام ابن سماک تھا۔ایک دفعہ جب اعیانِ دولت کے ساتھ وہ بھی دربار میں حاضر تھا۔ بادشاہ نے پانی مانگا ۔ ایک خادم گیا اور پانی کا گلاس لے آیا۔ ہارون الرشید نے وہ گلاس اپنے ہاتھ میں لیا، مگر قبل اس کے کہ ہارون الرشید اسے نوش کرتے۔ ابن سماک اپنی جگہ سے اُٹھے اور بادشاہ سے کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت ! دو منٹ ٹھہر جائیے۔

"ابن سماک" بادشاہ سلامت ! اگر آپ کو یہ پانی نہ ملے تو آپ اسکے حصول کیلئے کیا کر سکتے ہیں؟

ہارون الرشید۔ اپنی آدھی سلطنت اس کو تلاش کرنے کی نذر کر دوں گا۔

ابن سماک۔ اچھا اب نوش کر لیجیے۔

امیر المؤمنین جب پانی پی چکے تو پھر ابن سماک نے کہا کہ امیر المؤمنین اَب بتلائیے کہ اگر یہ پانی جو آپ پی چکے ہیں۔آپ کے اندر ہی جا کر رہ جائے اور باہر نہ نکلے تو آپ اس کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

ہارون الرشید : مَیں اس کو نکالنے کے لیے اپنی آدھی سلطنت صرف کر دوں گا۔

ابن سماک : کیا آپ اسی سلطنت پر اتراتے ہیں جو صرف ایک گلاس پانی کی قیمت ہے۔یہ سُن کر ہارون الرشید اس قدر رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

باور کیجیے کہ ہماری زندگی کے لمحات اس قدر گراں ہیں کہ دُنیا کی کوئی نعمت بھی اس کے ہم پلّہ نہیں ہوسکتی۔ یہ اس بازار کی جنس گرانمایہ ہے کہ جہاں پہنچ کر تمام سکوں کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے۔

وقت انسان کو بنا دیتا ہے

یہ حقیقت ہے کہ اگر اس وقت کو جو ہمیں حاصل ہے صحیح اور بہترین مصرف میں خرچ کیا جائے تو یہ انسان کو بنا دیتا ہے اور اگر اسے کھو دیا جائے تو یہی انسان کو بگاڑ دیتا ہے۔

اپنے مصرف میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے جو نصب العین ہو اس کے لیے کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یقین محکم ، عمل پیہم محبّت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

زمانہ بے رحم اُستاد ہے

بزرگوں کا مقولہ ہے کہ "زمانہ بے رحم اُستاد ہے"۔ یہ عین حقیقت کی عکاسی کی گئی ہے۔ اگر ہم دُنیا کی اس عظیم دولت کو صحیح کام میں نہ لائیں اور اُسے فضول خرچ ہاتھوں سے بیجا صرف کرتے رہیں تو پھر یہ زمانہ یہی وقت خود اُستاد بن جاتا ہے اور انسان کو اس طرح اپنے قالب میں ڈھالتا ہے کہ چیخیں نکل جاتی ہیں اور ایسے ہی لوگ جب زمانے کی سختی سے دو چار ہوتے ہیں تو زمانے کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ حالانکہ زمانے سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی شفیق نہیں۔ اگر اس کی قدر کی جائے اور جب کی بے حرمتی کی جائے تو پھر اس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی بے رحم اور شقیق القلب نہیں ہو سکتا۔

حجاج بن یوسف اور زمانہ

زمانہ کی تشبیہہ، حجاج ابن یوسف ثقفی سے دی جا سکتی ہے کہ ایک طرف تو جب دیبل کی سلطنت میں ایک عورت نے اُس کے نام کی دہائی دی تو فوراً اس کی امداد کے لیے آیا اور اس کی آواز پہ لبّیک کہی اور دوسری طرف کوفہ و بصرہ میں جس نے ذرا سی بھی اس کے حکم سے سرتابی کی بلا خوف اسے قتل کرا دیا اور اس طرح دُنیا کو وہ قول پُورا کر دکھایا جو اس نے اپنے پہلے خطبے میں کہا تھا کہ تمہیں سیدھا کر کے چھوڑوں گا۔ یاد رہے کہ حجاج ابن یوسف جو ہماری اُمّت کا سب سے بڑا ظالم ہے اور بقول حسن بصریؒ

> "اگر تمام اُمّتیں اپنے اپنے گنہگاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج ابن یوسف کو پیش کر دیں تو ہمارا پلّہ بھاری رہے گا"

خود بھی زمانہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکا۔ جن لوگوں کے سامنے اس کے آخری اور بالخصوص اس کی موت کے حالات ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ کس ذلّت کی موت مرا ہے اور پھر اس کے بعد اسے کس طرح آج تک یاد کیا جاتا رہا اور یاد کیا جائے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

زمانہ کی قدر کیسے کی جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ وقت کی قدر کیسے کی جائے کیا محض وقت کی افادیّت و اہمیّت پر لیکچر دینے سے اس کا حق ادا ہو جاتا ہے؟ اور کیا صرف ان الفاظ کے رٹ لینے سے وقت کی قدر ہو جاتی ہے؟ جی نہیں! وقت کی قدر کا یہ طریقہ نہیں۔ بلکہ قدر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے زندگی کا جو بھی نصب العین اور لائحہ عمل ہو۔ اس کو انجام دینے کے لیے آپ کی کوشش اور جدوجہد تیز تر ہونی چاہیے۔

دو مختلف راستے

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ نصب العین کا تعیّن کر لیا جائے کہ کونسا نصب العین ہے جس کی انجام دہی کے لیے ہمیں وقت کو اپنے کام میں لانا چاہیے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کامیابی حاصل ہو۔ کامرانی اس کے قدم چومے، اسے قدم قدم پر مسرّتیں حاصل ہوں، لیکن کامیابی کے نقطۂ نظر میں بنیادی طور پر دو مختلف اور متضاد زاویے ہیں، دو متقابل راستے ہیں۔

ملحد کا نقطۂ نظر

ایک ملحد اور منکرِ خدا جس کی کوتاہ بین نظر صرف زندگی کے ساحل تک جا کر لوٹ آتی ہے، اور اس جہان سے ماوراء کسی عالم کی کشش اسے اپنی طرف نہیں کھینچتی۔ کامیابی کے لیے اس کا نقطۂ نظر بھی صرف اس دُنیا تک محدود ہوگا اور اس کی تمام کوششیں صرف اسی دُنیا کے ساتھ خاص ہوں گی۔ اس کے سوچنے کا محور اور عمل کا مرکز دُنیا اور صرف دُنیا ہوگی۔ وہ اپنے بہترین وقت کو دُنیا طلبی، نفس پرستی، عیش کوشی میں صرف کرے گا۔ اس کے ہاں کامیابی کا اعلیٰ ترین معیار یہ ہوگا۔ تمام دُنیا کی دولت کو اکٹھا کر لے اور دُنیا میں سب سے زیادہ اسی کی عزّت کی جائے۔ دُنیا کی بے ثباتی اس کے لیے بجائے عبرت و بصیرت کے عیش و عشرت میں اضافے کا سبب ہوگی۔ یعنی

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

سوچنے کا دوسرا راستہ

اس کے مقابلے میں جو شخص صرف دُنیا ہی کو اپنی آخری منزل نہیں قرار دیتا بلکہ اس کے سامنے ایک دوسرا عالم بھی اپنی تابانیوں کے ساتھ موجود ہے اور اس کی آنکھیں اس نمائش گاہِ عالم میں اصل حقیقت کا سُراغ لگالیتی ہیں اور اُس کے سامنے مجاز کے ساتھ حقیقت بھی جلوہ گر رہتی ہے تو یقیناً اُس کے سوچنے کا طریقہ مختلف ہوگا۔ وہ دُنیا میں رہتے ہوئے اپنی اس زندگی سے غافل نہیں رہ سکتا جو مرنے کے بعد اسے پیش آنے والی ہے تو یقیناً اس کے لیے کامیابی کا معیار مختلف ہوگا اور اس کا عملی راستہ بھی مختلف ہوگا۔ یہی بنیادی فرق ہے جو ایک مُسلم اور غیر مسلم کی زندگیوں کو باہم متقابل بنا دیتا ہے۔ نقطہ نظر کا یہ اختلاف آگے جاکر عملی راستے بھی مختلف بنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ان دو راستوں کی اس طرح نشاندہی کی گئی۔

"جو شخص آخرت کی زندگی کا خواہش مند ہے ہم اسے عطا کر دیں گے اور جو صرف دُنیا ہی چاہتا ہے ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں"

بہر کیف آپ جو نصب العین بھی رکھتے ہیں اور آپ جس پالیسی کے بھی حامل ہیں جب تک اس کے لیے سعی پیہم لگا تار جدوجہد نہ کی جائے تو کامیابی نہ صرف یہ کہ ناممکن ہے بلکہ کامیابی کا خواب و خیالات بھی محالات سے ہے۔

کامیابی کا راستہ

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب بونے کا وقت ہو تو اُس وقت تو آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور جب گندم کی کٹائی کا موسم آئے تو آپ بھی اُمیدوار ہو جائیں۔ دُنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے؟ جب یہ حماقت آپ کے یہاں نہیں ہو سکتی تو تعجب ہے کہ یہ حماقت کیسے سرزد ہو جاتی ہے کہ محنت کے وقت آپ محنت سے جی چراتے رہیں اور جب محنت کا ثمرہ ملنے کا وقت آئے تو آپ سب سے پہلے لینے کے اُمیدوار ہو جائیں اور جب آپ کو وہاں سے کچھ نہیں ملتا تو آپ ملول و

دل گیر ہو جاتے ہیں، حالانکہ جب آپ نے محنت ہی نہیں کی، وقت کو صرف ہی نہیں کیا، فضولیات کے سوا کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تو آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی؟ کہ آپ نے وہ کچھ ملنے کی اُمید باندھ لی جو صرف اور صرف عاملین کا حصّہ ہے۔

اگر آپ اللہ کی دی ہوئی نعمت سے استفادہ نہ بھی کریں تب بھی اس نعمت کا انقطاع ہو ہی جائے گا اور بالآخر وہ منزل اور وہ مرحلہ آ ہی جائے گا کہ آپ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی۔ اسی لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"پانچ چیزوں کی پانچ چیزوں سے پہلے قدر کرو، اور غنیمت جانو! زندگی کو موت سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، غنا کو احتیاجی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے" (مشکوٰۃ، ترمذی)

یہ سب ہماری کامیابی کے لیے ایک ذریعہ اور ایک واسطہ ہے۔ انھیں ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے ہوئے بھی خرچ کرنا اِس کو صحیح مصرف میں استعمال کرنا ہے۔

وقت کی ایک بہترین تشبیہہ

مثل مشہور ہے کہ ایک فقیر پر کسی نے کچھ احسان کیا۔ اسے کھانا دانا کھلایا، عزّت کی، اس پر وہ فقیر خوش ہو گیا اور اس نے اپنے محسن کو بطور شکریہ پارس کا ایک ٹکڑا دیا کہ میں آج سے پانچویں دن آ کر لے جاؤں گا۔ اتنے دنوں میں آپ جو چاہیں اس سے کر سکتے ہیں ــ میزبان ــ بہت خوش ہوا، اور پارس کا ٹکڑا فقیر سے وصول کر کے رکھ دیا۔ اس نے سوچا کہ کچھ لوہا تو موجود ہے۔ کچھ اور لوہا بازار سے لے آؤں گا، لیکن ابھی جلدی کیا ہے۔ پانچ دن باقی ہیں کل چلا جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس دن فارغ بیٹھا رہا۔ اگلا دن آیا تب بھی دل نے کچھ اسی طرح ٹال مٹول کی اور کہا ابھی چار دن باقی ہیں۔ القصہ پانچ دن گزر گئے مگر وہ شخص بازار تک نہ جا سکا۔ پانچواں دن ہوا تو وہ فقیر صاحب بھی آ گئے اور آتے ہی تقاضا شروع کر دیا۔ میزبان نے کہا دو منٹ ٹھہر جاؤ، مگر فقیر نے اسے ایک منٹ کی بھی مہلت نہ دی اور فی الفور اس سے پارس لے کر چلتا بنا۔ یہ واقعہ گو من گھڑت ہی کیوں نہ ہو، مگر زمانے پر یہ تشبیہہ کس قدر راست آتی ہے کہ وقت گویا ایک پارس ہے جو ہمیں صرف چند دن کیلئے دیا گیا۔ اب ہماری مرضی! کہ ہم اسے کام میں لائیں یا فضولیات اور لغویات میں پڑ کر اسے فضول کھو دیں۔ مگر یاد رکھیے جب اس کے واپس لینے کا وقت آ گیا تو ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کی جائے گی۔

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اور

ہے جو آج سرگزشت اپنی
کل اس سے کہانیاں بنیں گی

بقیہ: رحمۃ للعالمین

مرکز ہیں۔ تو رحمت اور ہدایت کا مرکز وہ ہے جس کو خالق ذوالجلال قادر مطلق کامل و مکمّل نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ جس کے اخلاق وصفات کے جوہر پاک کو نُور بتایا گیا اور جس کو سراسر "رحمت" قرار دیا گیا۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

(۸)

اس حقیقت کو دوبارہ واضح کرتے ہوئے کہ مخلوق کا ہر ایک کمال اپنا نہیں بلکہ عطا کردہ ہے۔ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو روحانی کائنات کا آفتاب کہیں گے۔ کیونکہ حضرت حق نے اپنے لیے فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ارشاد ہوا۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ حضرت حق جل مجدہٗ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ ہیں۔ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ فرمایا گیا۔

حضرت حق جل مجدہٗ بلا شبہہ تمام صفات کمال کا حقیقی مرکز ہیں۔ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نبی الانبیاء ہیں۔ تمام نبیوں کے نبی ہیں۔ یعنی تمام کامل انسانوں کے معلم اور ہادی جس طرح ساری دنیا۔ تمام چاند اور تارے۔ اپنا اپنا نور آفتاب سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے اپنے وقت میں تاریک دُنیا کو اجالا بخشتے ہیں۔ اسی طرح یہ تمام کامل انسان اپنے کمالات رحمۃ للعالمین۔ نبی الانبیاء کے مخزن کمالات سے حاصل کرتے رہے اور اپنے اپنے زمانہ میں ضرورت اور استعداد کے موجب نوع انسانی کو کمالات بخشتے رہے۔ کمالات کی ہدایت کرتے رہے۔

○

بنت حامد بن محمدؐ (قسط : ۳)

حجاب

چہرہ کھولنے سے جو فتنے جنم لیتے ہیں ہر عورت اور ہر لڑکی اس سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ کچھ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاں پردہ نہ کرنے سے کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ ماشاء اللہ ہماری بیوی بہت نیک ہے، بیٹیاں، بہنیں، بہوئیں بہت نیک ہیں۔ بہت شریف ہیں۔ ان کی آنکھ میں تو بُرائی آ ہی نہیں سکتی تو دل میں کہاں سے آئے گی یہ تو بہت بعید ہے۔ اور رہے ہمارے بھائی اور دوسرے قریبی رشتہ دار ہمارے چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، ماموں زاد، سب ہی شریف زادے ہیں۔ نظرِ بد کا تو ہمارے ہاں تصوّر ہو ہی نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ بالفرض اگر ان کی یہ بات مان بھی لی جائے تو سوال یہ ہے کہ محض شریف ہونے اور آنکھ میں بُرائی نہ آنے سے کیا پردہ کا حکم شرعی ختم ہو جاتا ہے ؟ اگر ایسا ہوتا تو پھر ازواجِ مطہرات بناتِ طاہرات اور تمام صحابیات سے یہ حکم اُٹھ جانا چاہیے تھا، کیونکہ ان سے بڑھ کر نیک اور پاک دامن کوئی ہو ہی نہیں سکتا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے پردہ کا حکم اِنھیں شخصیات کے لیے آیا۔ جب یہ شخصیات بایں ہمہ صفات پردہ سے مبرا نہیں تو ہمہ وشما کی کیا حیثیّت ہے۔

اب ذرا عورتیں غور کریں اور اپنی بہوؤں بیٹیوں کی تصویر سامنے رکھ کر سوچیں کہ جو عورتیں گھر سے بے پردہ نکل آتی ہیں۔ بلا جِلبابْ وبلا حجاب اُن میں بہت سی عورتیں نہایت حسین وجمیل ہوتی ہیں۔ بہت سی عورتوں کا سارا حُسن ان کے بالوں میں ہوتا ہے۔ بہت سوں کی آنکھیں حسین ہوتی ہیں۔ بعض چہروں پہ معصومیت ایسی ہوتی ہے کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ سب عورتیں بازاروں میں جب بے پردگی کے ساتھ پھرتی ہیں تو خود عورتوں کا دل چاہتا ہے کہ ان سے بڑھ کر کلام کریں یا اُنھیں مڑ مڑ کر دیکھتی رہیں تو مرد حضرات آخر اس دعوتِ نظّارہ کو کس طرح ٹھکرا سکتے ہیں۔ اسی لیے تو ارشاد نبویؐ ہے۔

"جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے"۔

اب یہ گھر سے نکلنے والی عورت کسی دوسرے سیّارے کی مخلوق نہیں بلکہ اُسی حوا کی بیٹی ہے جس کی کوکھ سے ہم سب نے جنم لیا۔ اس کی عفت و عصمت اپنی عفت و عصمت ہے۔ اس ایک حوا کی بیٹی کا بے پردہ ہو جانا ساری عورتوں کا بے پردہ ہو جانا ہے۔ آج کی عورت بلا شبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے، لیکن اس آزادی کے معانی یہ نہیں کہ وہ بلاروک ٹوک نیم عریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکل آئے۔ بے حجاب و بے نقاب اپنے گلو کی نمائش کرتی پھرے اور اپنے حسن کے ذریعے اپنے لیے متعدّد دوست اور شادی شدہ خواتین اپنے شوہروں کے حریف پیدا کریں۔ ہرگز نہیں۔ یہ راستہ مغربی تہذیب و ترقّی اور مغرب کے تمدّن کی طرف جاتا ہے جو اُن ہی کو مُبارک ہو، لیکن وائے بدنصیبی کہ مدعی سُست گواہ چست کے مصداق مغرب سے زیادہ مغرب کے نئے شاگرد (ہمارے نوجوان روشن خیال) اس راستے پر چلتے نظر آتے ہیں۔ مسئلہ حجابِ شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے دفتر سیاہ کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ ایشیا کے مُسلمان اس بے حیائی پر آ جائیں جس پر مغرب پہنچ چکا ہے افسوس کہ ترقی کے نام پر اس تنزل نے آنکھیں اندھی کر دیں، کان بہرے کر دیے، زبانیں بند کر دیں دلوں پر پردے ڈال دیے جس کی وجہ سے مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دی اور اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے غیر مسلموں پر بے حیائی کے نئے باب کھول دیے۔

اسلام نے اس تبرجِ جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیا آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتینِ اسلام کی آبرو کی کفیل ہے تو دوسری طرف عام مادی فلاح و بہبود اور تحفّظ و انسانیت کی ضمانت دار جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے اور نہ داعیِ زنا کی پیش چلتی ہے۔

بہر حال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات و خیالات اور نہ صرف زمانہ حیات بلکہ بعد الممات تک پر چھائی ہُوئی ہیں اور عادات و عبادات کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں نہیں رہتی جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد و زن کو نگاہ بچانے کا پابند نہ کیا گیا ہو۔ اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ پہلے پہلے سترِ اشخاص کا حکم ہُوا۔ پھر سترِ ابدان کی ہدایت ہُوئی۔ پھر سترِ زینت یا تبرّج کے لیے فرمایا۔

محترم سید امین گیلانی

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرُ

دل کو شعور، جاں کو توانائی بخش دی　　گویائی لب کو آنکھ کو بینائی بخش دی
جس گُل کو جو قبا بھی پسند آئی بخش دی　　یوں گلستاں کو رونق و رعنائی بخش دی
پہلے تو اُس نے بزمِ جہاں کو سجا دیا　　پھر آدمی کو چشمِ تماشائی بخش دی
اُس نے سکوت بخش دیا رنگ و نُور کو　　خاکی وجود کو سخن آرائی بخش دی
بُلبل کو نغمہ بخش دیا رقص مور کو　　سُرخی شفق کو صبح کو زیبائی بخش دی
مہر و ماہ و نجوم ضیا لے کے خوش رہے　　آتش کو سوز دشت کو پہنائی بخش دی
دے دیں جبال کو اگر اُس نے بلندیاں　　اُس نے سمندروں کو بھی گہرائی بخش دی
شیطان کو شر فرشتوں کو طاعت عطا ہوئی　　شورش جنوں کو عقل کو دانائی بخش دی
دُنیا کے طالبوں کو دیا مال و زر، مگر　　اپنے نیاز مندوں کو مولائی بخش دی
جتنے بھی تھے حریص، اُنہیں بے کلی ملی　　بے کس تھے جتنے اُن کو شکیبائی بخش دی
بے ہمتوں کو کاسہ گدائی کا دے دیا　　اہلِ ہمم کو غلغلۂ برپائی بخش دی
ٹوٹے ہوئے دلوں میں وہ خود آ کے بس گئے　　خلقت کے دل میں اُن کی پذیرائی بخش دی
جس کو جو چاہا بخش دیا کون پوچھتا　　اسکندری اِسے اُسے دارائی بخش دی
اُس کی رضا سے پہلے تو یُوسفؑ بنا غلام　　پھر اُس کو مُلکِ مصر کی آقائی بخش دی
حرف آشنا کیا جو قلم کو تو بعد ازاں　　حرفوں کو اُس نے شان شناسائی بخش دی
عالِم کو دے کے ڈھیر کتابوں کا خوش کیا　　اور شاعروں کو قافیہ پیمائی بخش دی
ابدان کا تو علم طبیبوں کو دے دیا　　روحوں کی صوفیاء کو مسیحائی بخش دی
ہر حُسن کو عطا کیے اندازِ دلبری　　ہر عشق کرنے والے کو رسوائی بخش دی
کس کی مجال اُس سے یہ پُوچھے کہ اُس نے کیوں　　ہنگامہ دن کو رات کو تنہائی بخش دی

دیکھا مجھے تو ہنس کے کہا تجھ کو اے امینؔ
جا اپنے در کی ہم نے جبہ سائی بخش دی

پھر سترِ عوارض یعنی چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا، پھر سترِ نگاہ بتایا۔ پھر سترِ صورت کا ارشاد ہوا۔ پھر سترِ عمل کی تنبیہ کی گئی۔ یہاں تک کہ پھر آخر میں سترِ خیال کی بھی تلقین کر دی گئی۔ جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں ادنیٰ اختلاط یا کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلۂ تمدّن میں جو انسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے۔ بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اس نے خروجِ نساء پر عائد کی ہیں۔ اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء جان کر باہر نکلنے سے رُک جائیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ جاہلیت اولیٰ کا تبرّج اور آج کی جاہلیّتِ اخریٰ کا شہوانی تموج اُن میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اُس جاہلیتِ اُولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو پیش کیے۔ شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیے کہ جس سے بے حیائی کا معمولی سا راستہ بھی مسدود ہو گیا اور اسلامی عورت تمام بد اخلاقیوں سے بچ گئی۔ پس کہاں مشرق کی یہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہرِ عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر میں خلوت گزیں ہے اور کہاں وہ مغرب کی عورت جس نے گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اُٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کُھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا اور اس آزادیٔ خیال نے حجابِ خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع و برید نے اعضائے حسن کو بے نقاب کیا اور اس عریاں حسن نے اعضائے مستورہ سے پردے ہٹا دیے، جن کے ڈھانپنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اور پھر یہ بے حجاب عورت اس بات پر تو قادر ہو گئی کہ ایک مشینی عورت کی طرح مرد کے شانہ بشانہ فیکٹریوں میں کام کر سکے، لیکن اس بات پر قادر نہ ہو سکی کہ ایک با اعتماد و با اخلاق و باکردار نسل پروان چڑھا سکے۔

دارُالعُلوم دیوبند کی فقہی خدمات اور فقہ حنفی کی ترجیحات

از: مولانا عطاء الرحمان : مهتمم مدرسه تجوید القرآن رحمانیه
خانوخیل، چشمه روڈ : ضلع ڈیره اسمٰعیلخان

یہ مقالہ منعقدہ فقہی کانفرس ۱۷ ۔ ۱۸ اپریل ۱۹۹۶ء زیر اہتمام المرکز الاسلامی بنوں میں پڑھا گیا' جو کہ دارالعلوم دیوبند کی فقہی خدمات تا ۱۳۹۴ء پر مشتمل ہے۔ کوئی صاحب موجودہ مدت تک تکمیل فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں ختم ہو گئیں اور انہی کے ساتھ باقیماندہ جو اسلامی نظام رائج تھا وہ بھی جاتا رہا۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں دینی مدارس و مراکز کو جس طرح برباد کیا وہ ایک دل گداز اور لمبی تاریخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کرام کو جزائے خیر عطا کرے جنھوں نے پرائیویٹ طور پر اسلامی نظام کی یادگار کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھا خواہ وہ کتابوں اور فتاویٰ کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ انگریزی دور حکومت میں جن علماء کرام نے افتاء کے فرائض ذاتی طور پر انجام دیئے ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا نام نامی ہے' جن کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ عزیزی کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ نیز ان علماء کرام میں سے حضرت مولانا عبد الحئیؒ صاحب فرنگی محلی لکھنوئی کی ذات گرامی بھی ہے' جن کے فتاویٰ کا مجموعہ طبع ہو کر ایک عرصہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

دار العلوم دیوبند

انگریزی دور حکومت میں جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز پوری قوت سے ہندوستان پر مسلط ہو چکا تھا تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے چند رفقاء

کے ساتھ مل کر ۱۵ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶) کو "مدرسہ اسلامی عربی" کے نام سے ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی، جس نے تھوڑے عرصہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر لی۔ جو آج تک دار العلوم دیوبند کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ دار العلوم میں دیگر شعبہ جات کے علاوہ "دار الافتاء" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ابتداء میں کچھ عرصہ استفسارات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آتے رہے۔ بعد میں انہوں نے تاکید کر دی کہ استفسارات حضرت گنگوہی کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت گنگوہی کو "ابوحنیفہ عصر" کا لقب عطا فرمایا۔ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔ اور مولانا گنگوہی تفقہ فی الدین میں علامہ شامی اور صاحب در مختار سے آگے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا گنگوہی کو فقہ حنفی کا ایک راسخ القدم امام اور مجتہد پایا۔ حضرت گنگوہی نے جو فتاوی اور رسائل مذہب حنفی کی تائید میں تحریر فرمائے ہیں ان کے مطالعہ سے آپ کی ذہانت، قوت استنباط اور ملکہ استخراج کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ابتدائی سالوں میں اساتذہ دار العلوم بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ حسب ضرورت و موقع فتاوی تحریر کرتے رہے۔ لیکن کام کی ذمہ دارانہ نوعیت و اہمیت نے اس بات پر مجبور کیا کہ کسی مناسب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کر کے دار الافتاء کو مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۳۱۰ھ میں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے مجلس میں تجویز پیش کی۔ مجلس کی منظوری کے بعد اس جلیل القدر منصب کے لئے جس کو نامزد کیا گیا اس کے حالات نے ثابت کردیا کہ یہ نہ صرف اس منصب کے لئے موزوں تھے بلکہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ یہ عظیم المرتبت شخصیت حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کی تھی، جنہوں نے سنہ ۱۳۱۰ھ سے تا دم آخر یعنی سنہ ۱۳۴۶ھ تک صدر مفتی کی حیثیت سے عوام و خواص کو دور و نزدیک کے فرق کے بغیر فیض پہنچایا۔ افسوس کہ سنہ ۱۳۲۹ھ تک نقول فتاوی کا کام دار الافتاء میں نہیں کیا گیا۔ اسی طرح انیس ۱۹ سال تک برآمد ہونے والے فتاوی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کتنے تھے؟

سنہ ۱۳۳۰ھ سے نقول فتوی کا باقاعدہ نظام قائم ہوا۔ دار العلوم جو واحد مرکزی دینی یونیورسٹی بن چکا تھا اسکی مرکزیت کا لازمی اثر دار الافتاء پر بھی پڑا، سوالات کے جواب میں تحریر کئے جانے والے فتاوی عددی کثرت کے اعتبار سے بھی اور علمی دینی ہمہ گیری اور ساتھ ہی ان کی مقبولیت کے لحاظ سے بھی ایک بے مثال تاریخی ریکارڈ بن گئے۔

عددی کثرت کا یہ حال ہے کہ سنہ ۱۳۳۰ ھ سے سنہ ۱۳۹۴ھ کے اختتام تک چونسٹھ سال کے عرصہ میں دار الافتاء سے موصولہ سوالات کے جو جوابات روانہ ہوئے ان کی مجموعی تعداد چار لاکھ پندرہ ہزار آٹھ سو ستاون (۴۱۵۸۵۷) ہے، بلاشبہ یہ ایک زبردست علمی سرمایہ ہے اور تاریخ دار العلوم میں جلی حروف سے لکھا جانے والا قابل فخر کارنامہ ہے۔

آغاز دار الافتاء سے سنہ ۱۳۹۴ھ تک جن حضرات مفتیان کرام نے بحیثیت صدر مفتی و نائب مفتی کام کیا ہے ان کی مدت کارکردگی اور شعبے کی رفتار کو بیک نظر سماعت و ملاحظہ فرمایئے۔

اسمائے گرامی حضرات صدور افتاء	مدت کارکردگی	ہر دور کے فتاوی کی تعداد
۱۔ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی	۱۳۳۰ھ تا ۱۳۴۸ھ	۴۲۵۱۹
۲۔ مولانا محمد اعزاز علی صاحب و مولانا مفتی ریاض الدین صاحب	۱۳۴۷ھ تا ۱۳۴۸ھ	۴۴۴۸
۳۔ مولانا مفتی ریاض الدین صاحب	۱۳۴۹	۲۴۵۳
۴۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	۱۳۵۰ تا ۱۳۵۴ھ	۱۸۳۹۵
۵۔ مولانا مفتی محمد سہول صاحب	۱۳۵۵ھ تا ۱۳۵۷ھ	۱۵۱۸۵
۶۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب میرٹھی	۱۳۵۸ھ	۵۸۴۰
۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ، کراچی	۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۱ھ	۱۸۶۸۷
۸۔ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب	۱۳۶۲ھ تا ۱۳۶۳ھ	۸۴۲۷
۹۔ مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہی	۱۳۶۴ھ تا ۱۳۶۶ھ	۲۲۴۰۷
۱۰۔ مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری	۱۳۶۷ھ تا ۱۳۸۶ھ	۱۸۱۴۹۶
۱۱۔ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی	۱۳۸۷ھ تا ۱۳۹۴ھ	۹۶۰۰۰
حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی		

حضرات نائبین افتاء

۱) مولانا قاضی مسعود احمد صاحب دیوبندی از ۱۳۴۳ھ

۲) مولانا مفتی سید احمد علی سعید صاحب نگینوی از ۱۳۵۹ھ

۳) مولانا مفتی محمد جمیل الرحمن صاحب سیوہاروی از ۱۳۷۴ھ

موجودہ مفتی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے فتاوی کا مجموعہ اٹھارہ جلدوں میں "فتاوی محمودیہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جبکہ دار العلوم دیوبند کے اولین مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی کے فتاوی کا مجموعہ بارہ جلدوں میں فتاوی دار العلوم دیوبند کے نام سے مطبوعہ موجود ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے مفتی اول دار العلوم دیوبند کے فتاوی ایک جلد میں عزیز الفتاوی کے نام سے شائع فرمائے اور دوسری جلد امداد المفتیین کے نام سے اپنے فتاوی کو مرتب فرما کر شائع فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دار العلوم دیوبند کے فتاوی کا مجموعہ "نظام الفتاوی" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ نظام الفتاوی کے نام سے دو جلدوں میں یہ مجموعہ مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ ہزاروں فتاوی میں سے منتخب کرکے نئے زمانہ کی نئی ضرورتوں سے متعلق حوادث الفتاوی پر مشتمل ہے۔ علماء دیوبند میں سب سے پہلے حضرت تھانوی قدس سرہ نے حوادث الفتاوی کو علیحدہ مرتب فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے مسترشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس سلسلہ میں قابل قدر کارنامہ سرانجام دیا۔ نظام الفتاوی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حوادث الفتاوی کے سلسلہ میں ایک خاص بات قابل لحاظ یہ ہے کہ چونکہ ان کا حل کتب فقہیہ میں صراحۃً نہیں پایا جاتا' بلکہ مفتی زمانہ اخذ و استنباط سے کام لے کر حل پیش کرتا ہے۔ اس لئے اس میں غلطی کا احتمال بہ نسبت دیگر جوابات کے زیادہ پایا جاتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن جب بھی ان کے سامنے اپنی غلطی واضح ہو گئی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ماہنامہ "النور" میں ترجیح الراجح کا ایک مستقبل عنوان تھا جو ہمارے حضرات کے تدین وتقوی کی دلیل ہے۔ یہ تفصیل ان فتاوی کے بارے میں ہے جو دارالعلوم دیوبند سے جاری ہوئے۔ اگر دوسری طرح بات کی جائے تو دار العلوم کے فتاوی کی ابتدا "فتاوی

رشیدیہ" سے ہوتی ہے۔ جو حضرت گنگوہی کے فتاوی پر مشتمل ہے۔ اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے بھی چونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب' صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی زیر تربیت سنہ ۱۳۰۱ھ سے پہلے دار العلوم ہی میں افتاء کا کام شروع کردیا تھا۔ پھر اسی دار العلوم کے فرزند بھی تھے اور بعد میں سرپرست بھی۔ اس لئے چھ جلدوں پر مشتمل امداد الفتاوی بھی دراصل اسی سلسلہ کی کڑی ہے' اور یہ بھی اسی عظیم الشان دینی ادارہ کا فیضان ہے۔ اسی طرح مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی قدس سرہ بھی دار العلوم کے تلمیذ رشید تھے اور برابر مجلس شوری دار العلوم دیوبند کے رکن خصوصی بھی رہے' اس لئے آپ کی خدمت افتاء بھی اسی دار العلوم کی ایک شاخ ہے۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ "کفایت المفتی" کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے بارے میں آپ کے نامور اور لائق شاگرد سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے مفتی صاحب کو لیجئے جن کی ذہانت اور فقاہت ضرب المثل ہے۔ اگر میرا تجزیہ غلط نہیں ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ کم و بیش پچاس ہزار فقہ کی جزئیات تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو زبانی یاد ہوں گی۔ یعنی اگر آپ پچاس ہزار مختلف فتاوی ایک وقت میں انکے سامنے پیش کردیں تو وہ بدوں کتاب دیکھے ہوئے خدا کے فضل و کرم سے لکھدیں گے ۔ اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو اس عظیم الشان ادارہ کے فیضان سے روئے زمین کا کوئی ملک بھی خالی نہیں ہو گا۔ لیکن دار العلوم کے احاطہ میں بیٹھ کر شعبہ دار الافتاء کی مہر سے جو فتاوی ملک و بیرون ملک بھیجے گئے اسکی ابتداء حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ علیہ سے ہوئی۔اور ہماری پیش کردہ تفصیل اسی نقطہ نظر سے کی گئی ہے۔

فقہ حنفی اور علماء دیوبند

سرزمین پاک و ہند میں نوے فیصد مسلمان فقہ حنفی کے مقلد ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری میں علماء احناف کے پاس اصحاب ترجیح کے کچھ متون رہ گئے تھے۔ جن سے فقہ حنفی کی تدریس باقی تھی۔ ان میں مرکزی کتاب ہدایہ تھی جسے علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے

اس پیرایہ میں لکھا تھا کہ دین کی اصل حجت ائمہ مجتہدین نہ سمجھے جائیں بلکہ طالب دین کا مرکز توجہ کتاب الٰہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ علامہ ابن ہمام اور صاحب بحر کے بعد فقہ حنفی کا مدار در مختار' عالمگیری' طحطاوی اور شامی پر رہ گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں فقہ حنفی کے فتاوی نہایت منقح اور قابل اعتماد صورت میں ملتے ہیں' لیکن فقہ کے طالب العلم ان کتابوں میں فقہ کے مجتہدانہ ذوق کا ادراک نہ کر سکتے تھے۔ فقہ کی اساس حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی کتابوں پر تھی اور ان کی ظاہر الروایات فقہ حنفی کا اصل خزانہ تھیں۔ امام محمد حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ تشریف لائے اور حضرت امام مالک کے درس میں شامل ہوئے۔ آپ نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ذوق اجتہاد کا تقابلی مطالعہ کیا تو امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کو اصول سنت کے زیادہ قریب پایا۔ آپ نے اپنے ان احساسات پر کتاب الحجہ علی اہل المدینہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ حضرت شیخ الہند کے نامور شاگرد حضرت مولانا مفتی مہدی حسن نے اس کتاب پر تحقیقاتی کام کیا۔ اور بیس سال میں اس کے مسودہ کی تصحیح اور تعلیق مکمل کی۔ پوری کتاب چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ علماء دیوبند کی فقہ حنفی کی خدمات میں یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب "مبسوط" جو ظاہر الروایہ میں کتاب الاصل کی حیثیت رکھتی ہے' دیوبند کے مقتدر عالم مولانا ابوالوفاء افغانی نے اس کتاب پر تحقیقاتی کام کیا اور تعلیق لکھی۔ وہ کتاب جسے دیکھنے کے لئے علماء ایک ہزار سال سے تجسس کر رہے تھے دیوبند کے فیض کے صدقہ منظر عام پر آگئی۔ اس کتاب کی اشاعت سے فقہ کے طالب علم تحقیقات میں قرن اول کی ذوق فقہ سے حصہ پا رہے ہیں۔ فقہ میں سنت کی راہیں معلوم کرنے کے لئے آٹھویں صدی میں حافظ جمال الدین زیلعی نے علم حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ "نصب الرایہ" کے نام سے جمع کیا تھا۔ یہ عظیم علمی سرمایہ سالہا سال سے نایاب تھا۔ علماء دیوبند نے نہ صرف اسے دوبارہ طبع کرانے کا اہتمام فرمایا بلکہ اس پر "بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی" کے نام سے ایک جلیل القدر حاشیہ تحریر فرما کر علماء حدیث پر ایک بڑا احسان فرمایا' محدث کبیر ملا علی قاری کی کتاب شرح نقایہ فقہ و حدیث کا عظیم سرمایہ تھی مگر زیور طباعت سے آراستہ نہ تھی۔ دیوبند کے

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی نے "محمود الروایہ" کے نام سے اس پر ایک مستقل حاشیہ لکھ کر اسے بڑے اہتمام سے شائع فرمایا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نگرانی میں تمام فقہی ابواب کو احادیث و روایات کی روشنی میں مرتب کرنے کا کام "اعلاء السنن" کے نام سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے سرانجام دیا۔ اس کا مقدمہ قواعد فی علوم الحدیث علماء شام نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا۔ جہاں تک فقہ کی عام خدمت کا تعلق ہے یہ کہنا کافی ہو گا کہ علماء دیوبند نے کئی کتابوں پر مفید حواشی ارقام فرمائے۔ علامہ ابن ہمام کی کتاب "زاد الفقیر" پر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی نے ایک مفید عربی حاشیہ تحریر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد اعزاز علی نے نور الایضاح' مختصر القدوری' کنز الدقائق پر مفید عربی حواشی تحریر فرمائے۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے درسی خصوصیات میں سے یہ بات نمایاں تھی کہ وہ نہ صرف مذہب حنفی کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے' بلکہ تائید مذہب حنفی کے لئے محدثانہ طرز سے اونچی سطح کے کافی دلائل و براہین جمع فرما دیتے تھے۔ بعض اوقات خود فرمایا کہ میں نے مذہب حنفی کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط و مستحکم کر دیا ہے کہ مخالفانہ و معاندانہ ریشہ دوانیاں بیکار ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک ایک دو مسئلوں کے سوا فقہ حنفی کے تمام مسائل کے دلائل و حجج دوسرے مذاہب سے زیادہ قوی ہیں۔

فقہ حنفی کی ترجیحات

بے شمار خصوصیات و ترجیحات ہیں۔ ان میں سے چند بطور مثال ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ فقہ حنفی کا نظریہ یہ تھا کہ نہ صرف اپنے وقت کے موجودہ مسائل کو طے کیا جائے بلکہ جو حوادث و نوازل آئندہ بھی تا قیامت پیش آ سکتے ہیں ان سب کا فیصلہ کیا جائے' بخلاف اس زمانہ کے دیگر محدثین و اکابر حتی کہ امام مالک وغیرہ کا بھی نظریہ یہ تھا کہ صرف ان مسائل کی تحقیق کی جائے جو پیش آ چکے ہوں وہ فرضی مسائل کے جوابات بھی نہیں دیتے تھے۔ اس لئے یہ فقہ حنفی کی بڑی خصوصیت و فضیلت ہے۔

۲ ۔ فقہ حنفی کی تدوین ایک دو فرد نے نہیں کی۔ بلکہ ایک بڑی جماعت نے کی ہے

جس کی ابتدائی تشکیل ہی میں کم از کم چالیس افراد کے نام آتے ہیں جو اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور اجلہ محدثین امام احمد، امام بخاری، امام مسلم وغیرہم کے شیوخ کے شیوخ اور استاذوں کے استاذ تھے۔ اسی لئے بعض مصنفین نے تصریح کی ہے کہ اگر صحاح ستہ اور دوسری مشہور کتب احادیث میں سے امام اعظم کے تلامذہ کے سلسلہ کی احادیث و آثار کو الگ کر لیا جائے تو ان میں باقی حصہ بمنزلہ صفر رہ جائے گا۔

۳ ۔ حضرت علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حنفیہ کی اکثر جزئیات حدیث کے ماتحت نکلیں گی بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں اسی لئے حنفیہ کا مذہب اسفر ہے۔ اسی وجہ سے اکابر محدثین نے ان کے اقوال پر فتوی دیا اور ان کی فقہ کی توثیق کی۔ علامہ کردری نے مناقب میں ابن جریج کا قول نقل کیا ہے "ما افتی الامام الا من اصل محکم" امام صاحب کا ہر فتوی ایک اصل پر مبنی ہے یعنی قرآن و حدیث پر۔

۴ ۔ فقہ حنفی سے دوسری فقہوں نے بھی مدد لی ہے جس کی تفصیل بلوغ الامانی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے اور امام شافعی کے اقوال اس پر گواہ ہیں۔

۵ ۔ فقہ حنفی جس طرح خواص اہل علم و فضل اور سلاطین اسلام کی نظروں میں بوجہ اپنی جامعیت و معقولیت کے مقبول و محبوب ہوئی عوام میں بھی بوجہ سہولت عمل و تشریح جزئیات و فروع کثیرہ پسند کی گئی، نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اسی لئے ابتدا ہی سے اس کا نفوذ و شیوع دور دراز بلاد و ممالک میں ہو گیا تھا۔

کر دیا ہے، ان کے نزدیک گویا آیت حدزنا اپنے ظاہر مفہوم پر باقی نہیں رہی بلکہ سُنّت سے تبدیل ہوگئی اور پھر سُنّت بھی ایک ایسے قضیہ سے تبدیل ہوگئی جس کا موقع ٹھیک معلوم نہیں اور یہ بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اسے اس کے صحیح محل پر محمول کیا جا رہا ہے یا نہیں؟

جاننا چاہیے کہ سب سے بنیادی چیز قرآن کے ساتھ سُنّت کی تطبیق ہے۔ مجرد ظن کی بنار پر ان کے نسخ کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے۔ حضور کے مذکورہ ارشاد میں واضح طور پر آیا ہے کہ غیر شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا سو کوڑے اور جلاوطنی کی ہے۔ دوسری روایت میں ثم تغریب عام (یعنی سو کوڑے اور پھر یک سالہ جلاوطنی) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح شادی شدہ زانیوں کے لیے الفاظ ثم الرجم (یعنی سو کوڑے پھر رجم) بھی آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صُورتوں میں پہلی حد سو کوڑوں ہی کی ہے۔ لیکن اگر مجرم سزا پانے کے بعد پھر اسی گناہ میں مبتلا ہوں تو اُنھیں سخت سزا دینا اولیٰ ہے، کیونکہ اب ان کا گناہ حدود اللہ کے مقابلہ میں جسارت دکھانے کا ہے اور قرآن نے مفسدین فی الارض اور حدود اللہ کے معاملہ میں سرکشی کرنے والوں کے لیے ان کے گناہ کے درجات کے لحاظ سے سزا کے مختلف درجے بیان کیے ہیں۔ مثلاً تقتیل (بری طرح قتل) سولی، قطع اطراف (یعنی دایاں اور بایاں پاؤں کاٹنا) اور جلاوطنی وغیرہ، چنانچہ حضور نے ماعز کے قضیہ میں یہ تصریح فرمائی۔ چونکہ وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہُوا اور اُس کی بداخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی (ینب نبیب التیس)، اس لیے اس کو جو سزا دی گئی وہ نکال (عبرت کی سزا) ہے۔ یہودی عورت کے قضیہ میں آپ نے رجم کا جو حکم دیا ہے وہ توریت کے حکم کے مطابق تھا اور قرآن میں احکام نازل ہونے سے قبل حضور توریت کے مطابق فیصلے فرمایا کرتے تھے۔

فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب جرم ایک سے زیادہ مرتبہ صادر ہوا تو حضورؐ نے شادی شُدہ لوگوں کو عبرت کے لیے سخت سزا دی اور غیر شادی شدہ لوگوں کو نسبتاً خفیف سزا دی۔ اسی لیے حدیث میں لفظ ثم (پھر) واقع ہُوا ہے۔ بعض حدیثوں میں جو واوٗ آتی ہے اس سے بھی ثم ہی کا مفہوم مراد ہے اور عربی میں کبھی کبھی واوٗ اسی معنی میں استعمال ہوتی ہے۔" (ماہنامہ اشراق مارچ ۱۹۸۸ء ص ۳۸، ۳۹)

حمید الدین فراہی صاحب کی اس عبارت سے حاصل ہونے والے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نے

قسط ۱۷

مضامینِ علمیہ

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اُصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر قرآن" اور اُصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہُوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں اُنہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلّل ابطال اور احقاقِ حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

(۲) اعتراض ثانی

حمید الدین فراہی صاحب لکھتے ہیں جن احادیث کا مأخذ معلوم کرنے میں عُلماء کو اشتباہ ہُوا ہے ان میں وہ حدیث بھی ہے جو حدِ زنا کے باب میں وارد ہوئی ہے یعنی

البکر بالبکر مأۃ جلدۃ و تغریب عام والثیب بالثیبۃ مأۃ جلدۃ والرجم	اگر زانی غیر شادی شدہ ہو تو سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اگر زانی شادی شدہ ہوں تو سزا سو کوڑے اور رجم کی ہے۔

ان کا خیال یہ ہُوا کہ حضور کے اس قول سے شادی شدہ زانی کے لیے محض رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لیے محض سو کوڑے کی سزا کا حکم لازم آتا ہے۔ ان کا یہ گمان تھا کہ ماعز اسلمی اور غامد یہ عورت کے قضیہ میں رجم کی سزا نے شادی شُدہ زانی کے لیے سو کوڑوں اور غیر شادی شُدہ زانی کے لیے ایک سالہ جلاوطنی کا حکم منسوخ

عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی تھی اس میں واؤ ، ثم کے معنی میں ہے۔ لہٰذا پہلی مرتبہ زنا کرنے پر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا صرف سو کوڑے ہیں۔ دوسری مرتبہ کرنے پر پھر سخت سزا ہے۔ اگر اس معنی کو اختیار کر لیا جائے، تو نہ تو نسخ کا قول کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور قرآن و سُنّت میں بآسانی تطبیق بھی ہو سکے گی جیسے کہ فراہی صاحب کی عبارت سے واضح ہے۔

امین احسن اصلاحی صاحب اپنی تدبّرِ قرآن میں لکھتے ہیں۔

"اس روشنی میں عبادہؓ بن صامت کی روایت کی تاویل کیجیے تو اس کا بھی ایک موقع و محل نکل آتا ہے۔ وہ یُوں کہ اس میں جو حرف وؔ ہے اس کو جمع کے بجائے تقسیم کے مفہوم میں لیجیے یعنی کوئی زانی کنوارا ہو یا شادی شُدہ دونوں کی اصل سزا تو جلد (تازیانہ) ہی ہے، لیکن اگر کوئی کنوارا تازیانہ کی سزا سے قابُو میں نہیں آرہا ہے تو حکومت اس کو اگر مصلحت دیکھے مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کے تحت جلا وطنی کی سزا بھی دے سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں نفی (جلا وطنی) کا اختیار بھی حکومت کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا جیسا کہ روایت سے واضح ہے، ہے تو تازیانہ ہے ، لیکن اگر کوئی شخص تازیانہ کی سزا سے قابُو میں نہیں آرہا اور معاشرے کے لیے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اس کو حکومت تقتیل یعنی رجم کی سزا از روئے سورۂ مائدہ دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ (ص ۵۰۷ ج ۴)

ماعز کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اُس کا وہ کردار سامنے آتا ہے، جس کی بنار پر یہ مستحق رجم ٹھہرا ..."

(تدبّرِ قرآن ج ۴، ص ۵۰۵)

جواب : اس اعتراض کے جواب میں ہم چند باتیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ فساد فی الارض کرنے والوں کے لیے قرآن پاک میں چار سزائیں مذکور ہیں۔ فراہی اور اصلاحی صاحبان کی سورۂ مائدہ کی آیت کی تشریح کو قبول کرتے ہوئے اگر ہم حدیث میں واؤ کو تقسیم یا تدریج کے لیے لیں تو لازم آئے گا کہ قرآن میں دی گئی۔ تدریج کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ شادی شدہ زانی کے لیے دیگر مدارج کو چھوڑ کر ایک دم سب سے بڑی سزا آخر کیوں ہے؟ حالانکہ فساد کے اعتبار سے ایسے زانیوں میں بھی فرق ہو سکتا ہے کچھ وہ ہو سکتے ہیں کہ جو کچھ خانگی مجبوریوں (مثلاً بیوی کی طویل بیماری یا بیوی کی موت اور فوری طور پر دوسری شادی کرنے کی عدم استطاعت) کے باعث ایک سے زائد بار اس بُرائی کے مرتکب ہوئے ہوں، کچھ وہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے پوشیدہ طور پر زنا بالرضا کیا ہو اور ان میں ندامت بھی ہو اور کچھ وہ ہو سکتے ہیں جن میں ڈھٹائی ہو اور ڈھٹائی کے بھی یقیناً مدارج ہوتے ہیں آخر ان سب اُمور کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔ جب یہ دونوں صاحبان یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ رجم کی سزا بطور تقتیل سورۂ مائدہ کی آیت کی روشنی میں ہے تو یہاں اس آیت میں مذکور مدارج کو باطل کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ کیا اس طرح یہ دونوں صاحب حدیث کو کتاب اللہ کا پہ حاکم نہیں بنا رہے۔

۲۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث سے قرآنی سزا کی تحدید نہیں ہو رہی بلکہ حدیث میں تو ان سزاؤں میں سے ایک سزا تقتیل (رجم) کو اس لیے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ فراہی صاحب نے وضاحت کی ہے کہ "اگر مجرم سزا پانے کے بعد پھر اسی گناہ میں مُبتلا ہوں تو اُنھیں سخت سزا دینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ اب اُن کا گناہ حدُود اللہ کے مقابلہ میں جسارت دکھانے کا ہے"۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو لازم آئے گا کہ غیر شادی شُدہ اور شادی شدہ زانی کے درمیان کوئی فرق نہ ہو، اور دوسری مرتبہ زنا کے ارتکاب پر دونوں ہی کو رجم کی سزا دی جائے۔ یہ نہیں کہ غیر شادی شُدہ کو جلاوطن کیا جائے، کیونکہ غیر شادی شدہ کا بھی دوسری مرتبہ ارتکاب گناہ حدود اللہ کے مقابلہ میں جسارت دکھانا ہے۔

۳۔ اس مقام پر فراہی اور اصلاحی دونوں ہی صاحبان نے غیر شادی شدہ اور شادی شدہ کے درمیان فرق کو تسلیم کر لیا۔ جب ہی تو غیر شادی شُدہ کو دوسری مرتبہ کے ارتکاب پر صرف جلاوطنی کی سزا اور شادی شدہ کو رجم جیسی سخت سزا کا کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں صاحبان اس فرق کا ادراک

دوسری مرتبہ کے ارتکاب پر کر رہے ہیں تو فقہاء اگر اس فرق کا لحاظ پہلے ارتکاب میں ہی کرتے ہوں تو یہ اُن کی سمجھ داری کی بات ہے کیونکہ یہ کوئی عقل مندی تو نہیں کہ آپ پہلی دفعہ کے زنا میں تو کہیں کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور دوسری مرتبہ کے ارتکاب پر آپ عملاً ان کے درمیان فرق کرنا شروع کر دیں اور حدیث سے استدلال شروع کر دیں۔

۴۔ ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں فراہی صاحب اور اصلاحی صاحب کے REMARKS پر دوبارہ نظر ڈال لیجیے۔

فراہی صاحب لکھتے ہیں: "اس کی بد اخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ (نیب نبیب التیس)"

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں" ماعز کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں۔ ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں، جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بناء پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔"

(تدبّر قرآن، ج ۴ ص ۵۰۵)

اور اس کردار کی جو تفصیل اصلاحی صاحب کے ذہن میں ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

"رجم یعنی سنگسار کرنا ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ غنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزّت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنالیں جو دن دہاڑے لوگوں کی عزّت و آبرو پر ڈاکہ ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس مفہوم میں داخل ہے۔" (تدبّر قرآن ج ۲ ص ۲۷۸)

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مسلم ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام کی حالت میں ان کی وفات ہوئی حالت اسلام میں رجم کے واقعہ سے پہلے بھی یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ میں علّامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کتب لہ رسول اللہ صلّی

اللہ علیہ وسلّم کتابا باسلام قومہ (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے لیے ان کی قوم کے اسلام کی تحریر لکھوائی) ان کے رجم کیے جانے کے بعد جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا۔ قد غفر اللہ لماعز بن مالک (کیا اللہ تعالیٰ نے ماعز بن مالک کو بخش دیا ہے) تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ لوسعتھم (انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک جماعت کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو اس جماعت کو کافی ہو جائے۔

اتّفاق سے ان سے زنا سرزد ہو گیا تھا، ورنہ ویسے وہ بھلے آدمی تھے اسی لیے جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بارے میں اُن کی قوم سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا ما نعلم باسا (ہمیں ان میں کسی بُرائی کا علم نہیں) چونکہ وہ بھلے آدمی تھے۔ اس لیے وہ زنا کے ارتکاب کے بعد بے چین ہو گئے اور چاہا کہ کسی طرح سے اس کی تلافی ہو۔ اسی کے بارے میں پوچھتے پاچھتے وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے اور باوجودیکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو بار بار واپس لوٹایا وہ ہر بار آکر زنا کا اقرار کرتے رہے۔

احادیث میں ہے۔

۱۔ فشھد علی نفسہ اربع مرات انہ زنی فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لعلک قال لا و اللہ انی قد زنی الآخر۔	پس اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا شاید کہ تو نے (فقط بوسہ لیا ہو) تو اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم مَیں نے آخری زنا کیا ہے۔
۲۔ اتی رسولَ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم برجل قصیر اشعث ذی عضلات علیہ ازار و قد زنی فردہ مرتین۔	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک کوتاہ قد پراگندہ بالوں والے بھرے ہُوئے گوشت والے شخص کو لایا گیا۔ وہ لنگی باندھے ہُوئے تھا۔ اس نے زنا کیا تھا تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو دو مرتبہ واپس کیا۔

۳۔ فرده النبي صلى الله عليه وسلم مرارًا قال ثم سأل قومه فقالوا ما نعلم باسا۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو کئی مرتبہ لوٹایا پھر آپ نے اس کی قوم سے (اس کے بارے میں) پوچھا، تو اُنھوں نے کہا کہ ہمیں اس میں کسی بُرائی کا علم نہیں۔

ان ہی روایات کی بناء پر خود امین احسن اصلاحی صاحب بھی اس حد تک اعتراف پر مجبور ہُوئے ہیں کہ "بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس آدمی تھا۔" ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے کردار کی بھلائی اور وقتی گناہ پر سچّی ندامت اور بے چینی اور توبہ ہی اس بات کا سبب تھی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

والذی نفسی بیده انه الآن لفی انهار الجنة ینغمس فیها

(ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ماعز اس وقت جنّت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں۔)

جب ماعز رضی اللہ عنہ کا کردار معلوم ہوگیا تو یہی بات ہمارے اس دعوی کی بڑی دلیل ہے کہ جس شخص نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی اور ایمان کی حالت میں اس کی وفات ہوئی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت اور تھوڑی سی مدّت کی صحبت بھی اس شخص کے ایمان اور کردار میں اثر کیے بغیر نہ رہتی تھی۔ اس سے وقتی اور اتّفاقی معصیت کا ہو جانا بعید نہیں، لیکن اس پر اصرار کرنا اور بدخصلت ہونا یہ بات اس شخص سے یقیناً بہت بعید ہے۔ یاد رہے کہ ہم یہ اس شخص کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ جس کی وفات حالت ایمان میں ہُوئی ہو۔

امین احسن اصلاحی صاحب اس کا اعتراف کرتے ہیں "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کا شرف اپنی جگہ بہت بڑا شرف اور ایک مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے۔[ے]" لیکن وہ اس شرف و سعادت کو کردار و ایمان میں مؤثر نہیں مانتے، حالانکہ حدیث میں اس تاثیر کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ے مبادی تدبر حدیث ۔ باب ۵

عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خیر اُمتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم ان بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یؤتمنون ولا یفون و یظھر فیھم السمن و فی روایۃ و یحلفون ولا یستحلفون (متفق علیہ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا میری اُمّت میں بہترین لوگ میرے زمانے والے ہیں پھر جو اُن کے بعد ہیں، پھر جو اُن کے بعد ہیں، پھر اُن کے بعد ایسے لوگ بھی ہوں گے جو گواہی طلب کیے بغیر گواہی دینے کو تیّار ہوں گے، اور خیانت کریں گے اور امانت دار نہ ہونگے اور عہد کو پُورا نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ قسم کے مطالبہ کے بغیر ہی وہ قسم کھانے کو تیار ہونگے۔

دیکھئے آپ کے زمانے کے مسلمانوں میں اکثریّت تو انہی لوگوں کی تھی جن کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت قلیل عرصے کے لیے میسّر آئی تھی، لیکن یہ زیارت اور صُحبت ہی کا خواہ وہ کتنی قلیل ہو۔ اثر تھا کہ یہ لوگ بدخصلت نہ رہے تھے۔ ساری بُری خصلتیں ان کی ختم ہوگئی تھیں بلکہ ان کے کردار میں کم و بیش ایسی تاثیر پیدا ہوگئی تھی کہ ان کے اگلے بھی اس سے متأثّر ہوتے تھے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال لا تمس النار مسلما رآنی و رأی من رآنی (مشکوٰۃ)

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جہنّم کی آگ اس مُسلمان کو نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا اور جس نے میرے دیدار کرنے والے کو دیکھا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔

عن عبد اللہ بن بسر عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم طوبیٰ لمن رآنی و آمن بی و طوبیٰ لمن

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے میری زیارت کی اور مجھ پر ایمان لایا اور خوشخبری ہے اس کے لیے

رای من رآنی و لمن رای من	جس نے میرے دیدار کرنے والے کی زیارت
رای من رآنی و آمن بی	کی اور مجھ پر ایمان لایا۔ ان کے لیے خوشخبری ہے
طوبی بھم و حسن مآب۔ (مرقات ۲۷۸/۱۱)	اور اچھا ٹھکانا ہے۔

ہمارے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کے بارے میں یہ مسلّمہ ضابطہ ہے کہ وہ بدخصلت نہیں ہو سکتے۔ اور اس ضابطہ کو جان لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی صاحب نے اس بارے میں چند کوتاہیاں کی ہیں :

پہلی کوتاہی

امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں

"اور بعض (روایتوں) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا"

(تدبّر قرآن ص ۵۰۵ ج ۴)

اور حمید الدّین فراہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اس کی بداخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ (ینب نبیب التیس)

ان دونوں صاحبان نے جن بعض روایتوں کو دیکھ کر ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں REMARKS دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دو روایتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

۱۔ قال فرجمه ثم خطب فقال	اس کو رجم کیا، پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے
الا کلما نفرنا غازین فی	خطبہ دیا کہ آگاہ ہو جب بھی اللہ کے رستے میں
سبیل الله خلف احدهم	غزوے کے لیے نکلے اُن کا ایک پیچھے رہا
له نبیب کنبیب التیس	جس کی آواز (شہوت زدہ) بکرے کی سی
یمنح احدهم الکثبة	ہے۔ ان میں سے ایک تھوڑے سے دودھ
اما والله ان یمکنی	کی بخشش کرتا ہے۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے
من احد هم لنکلته	مجھے ان میں سے کسی پر قدرت دی تو میں اس
عنه	کو عبرت ناک سزا دوں گا۔

۲۔ ثم امر بہ فرجم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما نفرنا غازین فی سبیل اللہ تخلف احد کم نبیب بنبیب التیس یمنح احدا من الکثبۃ ان اللہ لا یمکنی من احد ھم الاجعلتہ نکالا او نکلتہ

پھر آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور اس کو رجم کر دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی ہم اللہ کے راستے میں غزوے میں نکلے تم میں سے ایک پیچھے شہوت زدہ بکرے کی سی آواز نکالتا ہے اور (غازیوں کی عورتوں میں سے) ایک کو تھوڑے سے دودھ کی بخشش کرتا ہے۔ ان میں سے کسی پر اللہ مجھے قدرت نہیں دے گا، مگر یہ کہ میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔

۳۔ ثم قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا من العشی فقال أو کلما انطلقنا غزاۃ فی سبیل اللہ تخلف رجل فی عیالنا لہ نبیب کنبیب التیس علی ان لا اوتی برجل فعل ذلک الا نکلتہ بہ۔

پھر شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا "کیا جب بھی ہم اللہ کے رستے میں غزوے کے لیے نکلے تو ایک شخص ہمارے عیال میں پیچھے رہا۔ اس کی آواز شہوت زدہ بکرے کی سی ہوتی ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ میرے پاس ایسا شخص نہیں لایا جائے گا مگر یہ کہ میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا۔

ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کیے جانے کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم نے کچھ بدخصلت لوگوں کا ذکر کیا جو مذکورہ بالا روایتوں میں مذکور کمینی حرکت کے مرتکب ہوئے تھے، اور فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے ان میں سے کسی پر قدرت دی تو میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا۔ ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمینی حرکت کو وضاحت سے بیان کیا اور دوسرے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی پر مجھے قدرت دی تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا جبکہ ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں

ملتا کہ وہ ایسی کمینی حرکت کے مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ ان کے ہم قوم لوگوں نے تو اس بات کی گواہی دی کہ ہم ان میں کسی بُرائی کو نہیں جانتے۔ نیز اگر ان میں بھی یہ بدخصلت ہوتی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ فرماتے کہ آئندہ بھی ایسے بدخصلتوں کو عبرتناک سزا دوں گا، لیکن روایات کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدخصلت لوگ ماعز رضی اللہ عنہ سے جُدا لوگ ہیں اور بھی چونکہ زنا کی عبرت ناک حد ہے عبرت کے اشتراک کی وجہ سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان بدخصلت لوگوں اور ان کے لیے عبرت ناک سزا وتعزیر کا ذکر کیا۔ اور اہم تر بات یہ ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے بھلے مانس ہونے کا ذکر روایات میں انکا نام لے کر صراحت کے ساتھ ہے جبکہ بدخصلت لوگوں کا ذکر اشارہ کنایہ میں ہے۔ ایسا اشارہ وکنایہ جس میں یہ احتمال ہو کہ اس سے ماعز رضی اللہ عنہ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ مراد ہوں۔ وہ اس صراحت کا کیسے مقابل اور معارض ہو سکتا ہے جو خاص ماعز کے لیے ہے اور جس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہے۔ افسوس کہ اصلاحی اور فراہی صاحبان عقل کی اتنی معمولی سی بات کو مستحضر نہ رکھ سکے۔ ہمیں ڈر ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی جسارت ہی کہیں اس کا باعث نہ بنی ہو۔

دوسری کوتاہی

مذکورہ بالا روایتوں سے جو حقیقت سامنے آئی ہے وہ فقط اتنی ہے کہ مسلمانوں کے غزوہ میں جانے کے بعد کچھ وہ لوگ جو کسی بہانے سے پیچھے رہ جاتے تھے (اور یہ منافقین ہوں گے) مجاہدین کی عورتوں کے سامنے کمینی سی حرکت کرتے اور وہ یہ کہ ان کے لیے ہدیہ کے طور پر کچھ دُودھ لے جاتے اور اس بہانے موقع پا کر شہوت کی کچھ بات کہہ جاتے۔ اس سے زیادہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ زنا کرنے پر کامیاب ہو جاتے ہوں۔ الفاظِ حدیث میں بھی نہ اس کی صراحت ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ پھر مدینہ منوّرہ کی آبادی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ان لوگوں کا پتہ لگانا مشکل ہو اور پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ مدینہ منوّرہ میں واضح غنڈہ گردی کے مرتکب ہو رہے ہوں اور زنا بالجبر کر رہے ہوں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سب کچھ علم ہونے کے باوجود اس انتظار میں ہوں کہ جب کبھی آپ کو ان پر قدرت حاصل ہو تو اُن کو سزائے عبرت دیں۔ کیا اس بات کا تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دارالحکومت میں ایسی صورتِ حال ہو کہ چند غنڈوں کو اتنی دلیری حاصل ہو جائے کہ مسلمان جب

بھی جہاد کے لیے نکلیں تو وہ لوگوں کی عزّت و ناموس پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کرتے ہوں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم محض ایک تنبیہ و دھمکی دے کر ان کو چھوڑیں رہیں۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر ماعز رضی اللہ عنہ اس قماش کے لوگوں میں سے ہوتے جس کا دعوٰی اصلاحی اور فراہی صاحبان کر رہے ہیں تو ان کے چار مرتبہ اعتراف کرنے کی کیا ضرورت تھی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو یہ کیوں فرمایا کہ شاید تو نے بوسہ وغیرہ لیا ہو (یعنی اصل زنا نہ کیا ہو) اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو واپس کیوں لوٹایا ؟ کیا کسی مطلوب غنڈے کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے ؟ اور کیا ان کی قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جھوٹ بولا تھا۔ حالانکہ وہ تو ان کے حالات سے خوب باخبر ہوں گے۔

علم وعقل کے دعویداروں سے ایسی بے عقلی کا صدور یقیناً عبرت کی بات ہے۔

تیسری کوتاہی

امین احسن اصلاحی صاحب کہتے ہیں" میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں۔ جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔ (تدبّر قرآن ج ۴ ص ۵۰۵)

مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کا کہنا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو زنا کی حد کے طور پر رجم کیا گیا تھا جبکہ اصلاحی صاحب کا کہنا ہے کہ رجم کی سزا انکو حد کے طور پر نہیں بلکہ فساد اور حدود اللہ کے مقابلے میں جسارت دکھانے کی سزا ہے یہ تو ہم بتا چکے کہ ائمہ مجتہدین کی بات صحیح ہے اور ماعز رضی اللہ عنہ سے حدود اللہ کے مقابلے میں جسارت دکھانے کا مظاہرہ کسی بھی مرحلہ میں نہیں ہوا اور وہ بھلے مانس آدمی تھے۔ اصلاحی صاحب کا دعوٰی ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کی سزا فساد اور حدود اللہ کے مقابلے میں جسارت کرنے پر دی گئی۔ اب اصلاحی صاحب پر لازم تھا کہ وہ دلائل سے ان کا فساد اور جسارت ثابت کرتے اس کے لیے وہ یہ کہہ کر فارغ ہو گئے کہ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی۔ تو اصلاحی صاحب کا دعوٰی و استدلال یوں بنا کہ رجم کی سزا کی وجہ فساد و جسارت ہے اور فساد و جسارت کی دلیل رجم کی سزا ہے۔ غرض اصلاحی صاحب اپنے دعوٰی کو ہی اس کی دلیل بھی بنا کر اپنی ذمّہ داری سے فارغ ہو گئے۔ اس میں مسلمہ عقلی قواعد وضوابط ٹوٹتے ہوں تو ٹوٹتے رہیں

ان کی نظر میں یہ قابلِ توجّہ باتیں ہی نہیں ہیں۔ اصل چیز تو ان کے مزعوم دعاوی اور دلائل ہیں جن کے مسلم ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اصلاحی صاحب کے ہیں۔

نوٹ: رجم پر لکھے گئے مضامین میں ماعز رضی اللہ عنہ سے متعلق احادیث مل جاتی ہیں۔ لہٰذا ہم مزید طوالت کے خوف سے اُن کا ذکر نہیں کرتے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع یعنی نسخ و تخصیص سے متعلق اصلاحی صاحب کی عبارت میں اغلاط کی نشاندہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پہلی غلطی کا بیان مکمّل ہُوا۔ اب دوسری غلطی ملاحظہ ہو۔

غلطی نمبر ۲: اجماع کی اہمیّت کے بارے میں خود اصلاحی صاحب لکھتے ہیں

"کسی اجتہاد پر اجماع ہوجانے کے بعد اس کی حیثیّت صرف ایک رائے کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجّت شرعی بن جاتا ہے جس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں۔" (ص ۱۶۰ اسلامی قانون کی تدوین)

"اسی طرح ائمہ اربعہ اگر کسی بات پر متفق ہوں تو اس کی حیثیّت بھی محض ایک رائے کی نہیں رہ جاتی، اگرچہ ہم اس کو اصلاحی اجماع کا درجہ نہ دے سکیں اور اس سے اختلاف کرنے کو نا جائز نہ ٹھہرائیں ... الخ (ص ۶۲ اسلامی قانون کی تدوین)

اور خود اجتہاد کے بارے میں یہ وضاحت کرتے ہیں۔

"شرعی اصطلاح میں اجتہاد اس انتہائی کوشش کو کہتے ہیں جو کتاب وسُنّت کے اشارات و مضمرات سے کوئی حکم معلوم کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔"

(ص ۴۶ اسلامی قانون کی تدوین)

"اجتہاد خواہ کسی بڑے مجتہد کا ہو یا کسی چھوٹے مجتہد کا اس کی حیثیّت ایک رائے سے زیادہ نہیں ہے۔" (ص ۵۹ اسلامی قانون کی تدوین)

اصلاحی صاحب نے اجتہاد کی تعریف بھی ناقص کی ہے، کیونکہ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اجتہاد صرف اسی کو کہتے ہیں کہ قرآن و سُنّت کی نصوص میں واضح احکام کے علاوہ کچھ اشارات ایسے ہوتے ہیں جن سے اور احکام بھی نکلتے ہیں یا مثلاً اس دَور میں کوئی واقعہ پیش آیا جس کے بارے میں کوئی تصریح قرآن وسُنّت میں نہیں ہے۔ البتہ قرآن وسُنّت میں ایسے اشارات ہوں جن سے ہم اس واقعہ کا حل

تلاش کرلیں، اجتہاد میں صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نصوص بظاہر متعارض ہوں تو اس تعارض کو ختم کرنا یا نصوص متعارض تو نہیں لیکن ان میں چند وجوہ و معانی کا احتمال ہو، تو ایک معنی کو متعین کرنا ۔ ممکن ہے کہ اصلاحی صاحب نے ایسا اس لیے کیا ہو کہ ان کے نزدیک ایک مسئلے میں سُنّت متعدد بھی ہو سکتی ہے اور ان کے نزدیک تمام الفاظ اپنے معانی پر قطعی الدلالۃ ہوتے ہیں، لیکن ان کی یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں جیسا کہ ہم دوسری بات کے بارے میں تفصیل سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مسلم الثبوت میں اجماع کی یہ تعریف درج ہے۔

اتفاق المجتہدین من ھذہ الامۃ فی عصر علی امر شرعی	کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی امر دینی پر اتّفاق

بہرحال اتنی بات تو واضح ہے کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک اجماع حجّت شرعی ہے جس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں۔

اب اصلاحی صاحب کی جو غلطی یہاں سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کی بات تسلیم کرنے سے اجماع کی حجیت باطل ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ رجم کی سزا شادی شدہ زانی کے لیے حد نہیں ہے بلکہ وہ فساد فی الارض اور حدود اللہ کے مقابلے میں جسارت دکھانے پر تعزیر ہے، جبکہ اُمّت کا اس پر اجماع ہے کہ رجم ہی شادی شُدہ زانی کے لیے حد ہے، دیکھئے۔

۱۔ عنایہ میں ہے۔

علی وجوب الرجم اذا کان الزانی محصنا اجماع الصحابۃ	جب زانی محصن ہو تو اس پر رجم کے واجب ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

۲۔ ابن منذر رحمہ اللہ کتاب الاجماع میں لکھتے ہیں۔

واجمعوا علی ان الحر اذا تزوج حرۃ تزویجا صحیحا و طئہا فی الفرج انہ محصن یجب علیہما الرجم اذا زنیا	اس پر اجماع ہے کہ جب آزاد شخص کسی آزاد عورت سے صحیح نکاح کر لے اور آگے کی راہ میں اس سے جماع کر لے تو وہ محصن ہے اور یہ دونوں جب زنا کریں تو اس کی سزا رجم ہے۔

۳۔ ابن حزم رحمہ اللہ کتاب، مراتب الاجماع میں لکھتے ہیں۔

واتفقوا انہ اذا زنی کما ذکرنا	اس پر سب کا اتّفاق ہے کہ جب اس طور پر جو

وکان قد تزوج قبل ذلك ان علیه الرجم بالحجارة حتی یموت
(بحوالہ تکملہ فتح الملہم ص ۳۲۹ ج ۲)

ہم نے ذکر کیا، اس نے زنا کیا دراں حالیکہ اس سے پہلے وہ شادی کر چکا ہو تو اس کی سزا سنگساری ہے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

اجماع صحابہ کی تفصیل فتح القدیر اور تکملہ فتح الملہم ثانی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اور سوائے خوارج کے ایک فرقے کے کہ جس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے پوری اُمت کا شادی شدہ زانی کے لیے رجم کے حد ہونے پر اتفاق ہے۔ اب اگر ہم اصلاحی صاحب کی بات تسلیم کر لیں تو لازم آئے گا کہ صحابہ اور باقی اُمت کا ایک غلط مسئلے پر اتفاق و اجماع ہو گیا جس سے اجماع کی حجیت باقی نہیں رہتی۔ اجماع کی حجیت کو بچانے کے لیے یہی ایک صورت ممکن ہے کہ ہم کہیں کہ رجم کے بارے میں اصلاحی صاحب کا قول ہی غلط ہے۔

اسی طرح فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ مائدہ میں درج شدہ سزا رہزنی یا ڈکیتی کی ہے۔ روح المعانی میں اس کی تصریح ہے۔ اصلاحی صاحب کی بات اگر تسلیم کر لیں تو یہ ایک اور اجماع باطل ٹھہرتا ہے۔

بقیہ: حیلے اور بہانے

مطلب یہ ہے کہ تیرے اندر جو بُرائیاں ہیں پہلے تو ان سے نمٹ، جس کے اندر خود بُرائیاں موجود ہیں اسے اتنی فرصت کہاں کہ دوسروں کی عیب گیری کرے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! غیبت زنا سے کیسے سخت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ انسان زنا کرتا ہے۔ پھر توبہ کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور بلاشبہ غیبت والے کی مغفرت نہ کی جائے گی جب تک کہ وہی معاف نہ کرے جس کی غیبت کی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

غیبت چونکہ حقوق العباد میں سے ہے اس لیے جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کرانا لازم ہے، معاف نہ کرا سکے تو اس کے لیے اتنی دُعا کرے کہ دِل گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہو گئی،

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ایک نکتہ بیان فرمایا۔ جب کسی نے عرض کیا کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیوں ہے؟ تو فرمایا کہ غیبت کا گناہ جاہی ہے اور زنا کا گناہ باہی ہے۔ جاہی کا مطلب یہ ہے کہ غیبت میں انسان کی جاہ پیشِ نظر ہوتی ہے، جب دوسرے کی بُرائی کرتا ہے تو اس کے اندر اپنی تعریف پوشیدہ ہوتی ہے کہ ہم ایسے نہیں ہیں اور یہ کبر ہے۔

ایک صاحب نے حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر استفسار کیا، حضرت مولانا نے اس کا شافی جواب لکھا۔ سوال وجواب ملخصاً درج ذیل ہیں ـــــــــــ

ایک استفسار کا جواب

سوال: آج میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے والا قرآن پڑھتا تھا تو اس میں سورۂ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ کی تفسیر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطہ رحمتِ الٰہی سمجھ کر۔ مدد مانگی جائے تو عین ذات باری تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے"۔ اس مسئلہ کے متعلق مجھے بڑی تشویش ہے

جواب از حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ

حضرت شیخ الہندؒ کا مقصود یہ ہے کہ اگر دُعا یوں مانگی جائے کہ اے بزرگ آپ خُدا کے مقبول و محبوب ہیں، آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے، تو ایسا کہنا شرک نہیں، اگر یہ بزرگ زندہ ہیں اور بالمشافہ اُن سے آپ درخواست کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ شرک نہیں، حضراتِ صحابہ سے یہ ثابت ہے اور سُنّتِ نبوی میں مذکور ہے، بلکہ قرآن پاک میں بھی اشارہ ہے۔

اسی طرح زندہ بزرگوں کو بارگاہِ الٰہی میں دُعا کے اندر توسل کے لیے پیش کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسے حضرت عمرؓ نے قحط میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد حضرت عبّاسؓ کو اپنی دُعا میں توسل کے ساتھ پیش کیا۔ ایک نابینا صحابی کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُعا تعلیم فرمائی۔ اس میں نبی کریمؐ نے خود اپنے ساتھ توسل کے الفاظ بتائے، اور اگر یہ کوئی متوفیٰ بزرگ ہیں، تو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اتباع اس کو جائز سمجھتے ہیں۔[1]

---

[1] معارف ج ۵۸ ش ۴ ص ۳۰۶

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

دو آنکھیں

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"عَیْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ وَ عَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"[1]

دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (جہنّم کی) آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی رہی، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستے (جہاد) میں سرحدات کی حفاظت کے لیے بیدار رہی۔

دو قدم

حضرت ابو عبس (عبدالرحمٰن بن جبر) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَی النَّارِ"[2]

جس شخص کے دونوں قدم اللہ کے راستے (جہاد) میں غبار آلود ہوئے وہ (جہنّم کی) آگ پر حرام ہیں۔

---

[1] ترمذی ج ۱ صہ ۲۹۳ باب ماجاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ

[2] ترمذی ج صہ ۲۹۲ باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ۔

دو قطرے اور دو نشان

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

لَيْسَ شَيْئٌ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَاَثَرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَثَرٌ فِيْ فَرِيْضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ۔[1]

اللہ تعالیٰ کو دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ اور دو نشانوں سے زیادہ کوئی نشان محبوب نہیں، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے (جہاد) میں گرا ہو، رہے دو نشان تو اُن میں سے ایک تو وہ ہے جو اللہ کے راستے (جہاد) میں (زخم لگ جانے کی وجہ سے) پڑا ہو، دوسرا وہ جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کی بجا آوری کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔

دو گھونٹ

حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان جس قدر گھونٹ پیتا ہے اُن سب میں دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں ایک مصیبت پر صبر کا دوسرا غصّہ کو پی جانیکا۔"[2]

تین اہم باتیں

امام ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) نے اپنی "جامع" میں ایک طویل حدیث نقل

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۲۹۶

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۲۴۷ تحت قولہ تعالیٰ قال بل سولت لکم انفسکم امرًا فصبر جمیل۔

کی ہے جسے آپ نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔

"تین باتیں ایسی ہیں جن (کی صداقت وحقانیت) پر میں قسم کھا سکتا ہوں

۱۔ یہ کہ بندہ کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے (یعنی صدقہ و خیرات کرنے) کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ کہ جس بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ بندہ اس ظلم و زیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی عزّت کو بڑھا دیتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ جس بندے نے اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولا (یعنی ضرورت و حاجت کی وجہ سے نہیں بلکہ مال و دولت جمع کرنے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لیے لوگوں سے مانگنا شروع کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (یعنی اس کو طرح طرح کے احتیاج و افلاس میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بے شرم ہوکر مانگتا ہی رہتا ہے۔")[1]

عقل منداور بیوقوف؟

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا و تَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ "[2]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " عقل مند شخص وہ ہے، جو (اپنے قول وفعل اور اپنی حالت کا) احتساب کرتا رہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں کام آنے والے اعمال کرتا رہے اور بیوقوف شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو تو اُس کی خواہشات کے تابع بنادے اور اللہ تعالٰے سے اجروثواب کی اُمّید رکھتا ہے۔

---

[1] ترمذی شریف، باب ماجاء مثل الدنیا مثل اربعۃ نفرٍ، ج ۲ ص۵۸ [2] ترمذی، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۵۱

شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان کی مفصّل رپورٹ

نام طالب علم	ولدیت	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر	فیصد	کوائف
روضۃ اللہ	مولوی فضل اللہ	دورۂ حدیث شریف	۴۰۰	۲۷۰	۶۷.۵	جید جدًا
عبد الحنان	مولوی محمد رجان	〃	〃	۲۶۰	۶۵	〃
سفر محمد	روزی محمد	〃	〃	۲۲۰	۵۵	جید
حفیظ الرحمٰن	حافظ محمد سلیمان	العالیہ (سالِ اوّل)	۵۰۰	۴۶۲	۹۲	ممتاز
عبد المنان	عبد الرحمٰن	〃	〃	۴۲۵	۸۵	〃
محمد عارف	افتخار احمد	〃	۴۰۰	۳۴۰	۸۵	〃
محمد صابر افغانی	محمد اکبر	العالیہ سالِ دوم	۶۰۰	۴۲۰	۷۰	〃
محمد عمران	مولانا مفتی عبد الرشید رح	العالیہ سالِ اوّل	۴۰۰	۳۴۹	۸۷.۲	〃
عبد الواحد	محمد صالحین	〃	〃	۳۲۰	۸۰	〃
محمد عارف	منظور احمد	〃	〃	۳۱۱	۷۸	〃
غلام رسول	حبیب اللہ	الثانویۃ الخاصہ (سال دوم)	۷۰۰	۵۳۵	۷۶.۴	〃
محمد قمر عاصم	محمد یعقوب	الثانویۃ الخاصہ (سال اوّل)	۴۰۰	۳۵۱	۸۸	〃
محمد یعقوب	احمد یار	〃	〃	۲۸۸	۷۲	〃
محمد اعظم	علاؤ الدین	〃	〃	۲۸۰	۷۰	〃
عبد الحفیظ		الثانویۃ العامہ (سالِ دوم)	۵۰۰	۳۴۰	۶۸	جید جدًّا
عبد الحفیظ	محمد افضل	〃 〃 (گروپ ب)	〃	۴۳۳	۸۷	ممتاز
محمد عثمان	محمد سلیم	〃	〃	۳۹۶	۷۹	〃

نام طالب علم	ولدیت	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر	فیصد	کوائف
محمد فیضان	محمد ارشد	الثانویۃ العامہ گروپ (الف)	۹۰۰	۸۶۷	۹۶.۳	ممتاز
ذوالقرنین	محمد عمران	〃 〃	〃	۷۵۳	۸۴	〃
عبداللہ بلتی	عبدالرزاق	〃 〃 〃	〃	۶۱۳	۶۸	جید جداً
عبدالقیوم	خورشید احمد	المتوسطہ (سال اوّل)	۴۰۰	۳۵۸	۹۰	ممتاز
محمد نذیر	عبدالرشید	〃 〃	〃	۳۵۵	۸۹	〃
محمد اشفاق	منظور احمد	〃 〃	〃	۳۴۲	۸۶	〃
سردار محمد	عبدالقیوم	التجوید (سال اوّل)	۳۰۰	۲۵۰	۸۳	〃
محمد ندیم	خالد محمود	〃 〃	〃	۲۴۸	۸۲	〃
بشیر احمد	شیر محمد	〃 〃	〃	۲۴۴	۸۱	〃
محمد عثمان	محمود احمد	التجوید (سالِ دوم)	۴۰۰	۴۰۰	۱۰۰	〃
عبدالغفار	عبدالحکیم	〃 〃	〃	〃	〃	〃
محمد عارف	عطا محمد	〃 〃	〃	۳۸۰	۹۵	〃
عبدالعظیم	آزاد خان	القراءات السبعہ	۳۰۰	۲۷۰	۹۰	〃
غلام محمد	بشیر احمد	〃 〃	〃	۲۶۲	۸۷	〃
غلام یٰسین	نورِ محمد	القرارت الثلثہ	۲۰۰	۱۸۰	۹۰	〃
محمد عوض	محمد رسول	〃 〃	〃	۱۷۹	۸۹.۵	〃

کل شرکاء: ۱۰۸، ممتاز: ۷۲، جید جداً: ۱۴، جید: ۸، مقبول: ۱۳، راسب: ۱

اس سال جامعہ کا مجموعی نتیجہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰٪ اور کم سے کم ۳۵٪ اور اوسطاً ۶۷٪ رہا۔

نتیجہ شرکائے وفاق

نام طالب علم	ولدیت	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر	فیصد	کوائف
عبدالستار	محمود احمد	العالیہ (سالِ دوم)	۷۰۰	۳۱۳	۵۲	جید
محمد یوسف	محمد بشیر	" " "	"	"	"	"
مسعود احمد	نور حسین	" " "	"	۲۴۸	۴۱	مقبول
عبدالوحید	محمد یوسف	الثانویہ الخاصہ (سالِ دوم)	"	۳۱۲	۵۲	جید
محمد کلیم الرحمٰن	محمد اسمٰعیل	" " "	"	۲۸۳	۴۷	مقبول
عبدالماجد	غلام سرور	" " "	"	۲۸۰	۴۶.۶	"
عبدالباسط	عبدالسلام	الثانویہ العامہ (سالِ دوم)	"	۵۲۱	۸۷	ممتاز
محمد حارث	محمد اسلم	" " "	"	۴۹۰	۸۲	"
محمد عثمان ضمیر	ضمیر احمد	" " "	"	۴۶۹	۷۸	جید جداً
عامر علی	لیاقت علی	المتوسطہ	"	۵۱۲	۸۵	ممتاز
ساجد الرحمٰن	عبداللطیف	"	"	۴۲۳	۷۱	جید جداً
محمد شہباز خان	خان محمد	"	"	۴۱۶	۶۹	"

کل شرکاء وفاق: ۳۷، ممتاز: ۳، جید جداً: ۱۸، جید: ۷، مقبول: ۶، راسب: ۱، غیر حاضر: ۲

اس سال جامعہ سے وفاق کا مجموعی نتیجہ زیادہ سے زیادہ ٪۸۶ اور کم سے کم ٪۳۰ اور اوسطاً ٪۶۵.۲ رہا

جامعہ مدنیہ لاہور کیلئے تعاون کی اپیل

جامعہ مدنیہ لاہور کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۵۷ء میں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی ۳۹ بہاریں پوری کر کے چالیسویں میں داخل ہو رہا ہے۔ بحمداللہ اس عرصہ میں جامعہ سے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ و قراء تیار ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ میں درسِ نظامی درجاتِ تکمیل اور درجاتِ تجوید و قرأت عشرہ و حفظ و ناظرہ و دینیات کا مکمل انتظام ہے۔ حتیٰ کہ طب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلبہ خوشنویسی بھی سیکھتے ہیں۔

اس سال تقریباً ۹۳۷ طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی، اُن میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش و ظائف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں ہوشربا گرانی نے اس درجہ پریشانی پیدا کر دی ہے کہ سب کارکنانِ مدرسہ اس بارے میں متفکر ہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے اور مہمانانِ رسول ان قدسی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہیں تو آپ خود بھی اس نیک کام میں پوری قوت سے مدد کیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لیں۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

اراکینِ جامعہ مدنیہ، لاہور